کتاب تحریر المرأۃ

جو

مصر کے ایک روشن ضمیر اور تعلیم یافتہ مسلمان قاسم امین کی

جدید تصنیف ہے

اُسکا

اُردو ترجمہ

حسب ایماے نواب محسن الملک بہادر مولوی رشید احمد صاحب انصاری آنرز ان پرشین لینگویج لٹریچر، آنرز ان عربک لینگویج لٹریچر اینڈ لاء سب ایڈیٹر اخبار علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ نے تمام و کمال اصل عربی کتاب سے نہایت فصاحت اور سلاست کے ساتھ اُردو میں ترجمہ کیا جو علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے نمبروں میں سلسلہ وار شایع ہوا۔

مطبع مفید عام آگرہ میں باہتمام محمد قادر علیخان صوفی چھپی

سنہ ۱۹۰۳ء

مقدمہ وہ تمام مسائل جن پر مین نے نہایت اجمال اور اختصار کے ساتھہ اس رسالہ مین بحث کی ہے اُن مین سے ہر ایک مسئلہ اس قدر وسیع اور اہم ہے کہ ایک مستقل اور یگانہ کتاب کا موضوع بن سکتا ہے ۔ مین نے قصداً اون کو اختصار کے ساتھہ بیان کیا ہے تاکہ وہ باہم مسلسل اور مربوط ہو کر ایسے معلوم ہون کہ گویا وہ ایک ہی زنجیر کے حلقے ہین اس کتاب کی تالیف سے میری اصلی غرض یہہ ہے کہ مین اپنی قوم کے مثقفون کو ایسے موضوع کی طرف توجہ دلاؤن جس مین غور و فکر کرنے والون کی تعداد نہایت ہی قلیل ہے ۔ اسوقت میرا یہہ مقصد نہین ہے کہ مین ایسی کتاب تالیف کرون جس مین عورت کی حالت اور نوع انسان مین جو اُس کا مرتبہ ہے ، اس پر تفصیل اور استیعاب کے ساتھہ بحث کی جاے ۔ غالباً ایسی مفصل اور مبسوط کتاب اُس وقت تالیف

ہو گی کہ یہہ پودے جو چھوٹے چھوٹے بیج ہین کہ مین نے بویا ہے اُگینگے بڑہینگے اور پہل پہول لائینگے اور ہماری اولاد اون سے فائدہ اوٹہانا چاہیگی۔

جو کچہہ مین لکہہ رہا ہون اس کے مطالعہ کرنیوالون کو غالباً معلوم ہوگا کہ قریب زمانہ مین مجہکو اپنی امیدون مین کامیابی ہونے کی توقع نہین ہے۔ اس لئے کہ ایک قوم کے نفوس کو کمال کی طرف متوجہ کرنا کوئی آسان کام نہین ہے، بلکہ اس امر مین کوشش کرنے والون کی کوششون کا اثر بہت دیر کرہوتا ہے جس کی رفتار نہایت سست اور غیر محسوس ہوتی ہے۔ وہ ہر ایک تغیر جو کسی قوم مین پیدا ہوتا ہے اور جس کا ثمرہ قومی حالات مین نمایان ہوتا ہے، وہ تغیر بسیط نہین ہوتا ہے، بلکہ مختلف قسم کے تغیرات کثیر سے مرکب ہوتا ہے، جو رفتہ رفتہ افراد قوم کے نفوس مین پیدا ہوتے ہین، اور بتدریج تمام قوم مین سرایت کرتے جاتے ہین۔ پس یہہ تغیر جو قوم کی مجموعی حالت مین ظاہر ہوتا ہے قوم کی زندگی کا ایک نیا دور ہوتا ہے۔

اِس وقت جو کچہہ ہماری حالت ہے اُسکا فوراً بدل دینا بیشک انسانی طاقت سے خارج ہے اور نہ ہمارے لئے اس مین کوئی عار ہے کہ ہم ایسی تنزل اور انحطاط کی حالت مین پیدا ہوئے کیونکہ ہر زمانے کے مناسب جو کام ہین اونہین کی بابت سوال کیا جائیگا مگر ہان بے شک یہہ شرم کی بات ہوگی کہ ہم اپنے کمالات اور اپنی خوبیون کا خیال تمام نجیتہ کر کے اپنے عیوب اور نقائص کا انکار کرین اور اس بات کا دعویٰ کرین کہ ہمارے اخلاق و عادات ہر ایک زمانہ اور ہر ایک ملک کے اخلاق و عادات سے بہتر اور اعلیٰ ہین۔ یا یہہ کہ ہم حق کے مقابلہ مین ضد اور عناد سے کام لین حالانکہ وہ بالکل صاف اور بدیہی ہے، جسکے ثبوت کے لئے ہماری تصدیق اور تائید کی ضرورت نہین۔ حق کی مخالفت مین جو کچہہ

ہم کہتے یا کرتے ہین، اُس مین مطلق اثر نہین ہوتا، بلکہ اسکا ہم پر وہ اثر ہوتا ہے، جو باطل کا اہل باطل پر اثر ہوتا ہے۔ یعنی ہمارے اور اصلاح کے درمیان ایک حجاب حائل ہو جاتا ہے اس لیے کہ اصلاح کی طرف وہی قوم متوجہ ہو سکتی ہے، جس کو حقیقۃً یہہ شعور ہو جائے کہ اُسکو اصلاح کی ضرورت ہے، اور پھر اس کے وسائل معلوم ہو جائین۔

غالباً مصر کے ہر ایک طالب علم کو یہہ بات معلوم ہوگی کہ ہماری قوم کو اصلاح کی سخت ضرورت ہے، پس مین انہین طالب علمون کی طرف خطاب کرتا ہون اور کہتا ہون کہ ہم اس زمانے مین جس درد سے تکلیف اُٹھا رہے ہین اوسکا خمیازہ اونہین کو بھگتنا پڑیگا۔ اونکے علم و فضل اور اونکے ارادون سے یہہ بات بہت بعید ہے کہ وہ اپنے اور اپنی قوم کے دلون پر عاجزی اور مایوسی کی مہر لگا دین کیونکہ یہہ سستی اور کاہلی کی ایک صورت نامردی اور بزدلی کا اظہار یا اون لوگون کے حالات مین سے ایک حال ہے جن کو نہ اپنے نفس پر اعتماد ہے اور نہ اپنے خاندان اور اپنے مذہب اور شریعت اور اپنے خدا پر بھروسہ ہے ایسی حالت مین مین اونکو دیکھتا ہون کہ حادثات کی موجون کے مقابلہ مین اونہون نے جی چھوڑ دیا ہے اور وہ اون کو گھاس کی طرح اوٹھا کر جہان چاہتے ہین پھینک دیتے ہین۔

مین نے اپنی قوم کے بہت سے اصلاح طلب امور مین سے صرف ایک امر مین سلسلہ جنبانی شروع کی ہے، اور قوم کی افراد مین سے صرف ایک جنس کی اصلاح کا بیڑا اوٹھایا ہے جس کا قوم مین بہت بڑا اثر ہے اور جو بات میرے نزدیک حق تھی وہ ظاہر کر دی ہے پس اگر میری رائے غلط ہے تو میری نیک نیتی کا پھل مجکو ضرور ملیگا اور اگر صحیح ہے جیسا کہ میرا خیال ہے تو اون طالب علمون پر واجب ہے کہ جو کچھہ مین نے

ان اوراق مین جمع کیا ہے اُس کی اشاعت مین کوشش کرین اور عملی طور پر اُس کی تائید کرین۔

تمہید جو لوگ حقیقت کے متلاشی ہین مین اونکی خدمت مین درخواست کرتا ہون، کہ وہ مصری عورتون کی موجودہ حالت مین میرے ساتھہ بحث کرین، مجھکو یقین ہے کہ وہ بھی آخر کار اُس نتیجہ پر پہونچین گے، جس پر مین پہونچا ہون، اور وہ یہہ ہے کہ اس مین اصلاح کی ضرورت ہے یہی وہ خیال ہے جس کو مین عرصہ دراز کے غور و فکر کے بعد شایع کرتا ہون۔ اس عرصہ مین مین اوسکو اُلٹ پلٹ کر اور تحلیل و ترکیب کر کے اس کے مختلف پہلوؤن پر غور کرتا رہا، اور جب کہ وہ اون تمام غلطیون سے جو اُسکے ساتھہ مخلوط تھین، پاک و صاف ہو کر میری فکر پر مسلط ہو گیا اور باقی تمام خیالات کو جو میرے ذہن مین موج زن تھے مغلوب و مقہور کر کے اپنی خوبیون اور نیز اپنے اظہار کی ضرورت پر مجکو متنبہ کرنے لگا، تو مین نے دیکھا کہ اب اُس کے ظاہر کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہین۔

وہ تمام مستحکم چیزین جن پر نوع انسان کی ترقی، اور اس کی آیندہ فلاح و بہبودی کا دارومدار ہے منجملہ اُن کے یہہ عجیب و غریب قوت بھی ہے، جو انسان کو ہر ایک علمی یا اخلاقی خیال کے ظاہر کرنے پر آمادہ کرتی ہے، جبکہ وہ انسان کی عقل مین اپنی طبعی نشو و نما پر پہونچ جاتی ہے اور انسان کو یقین ہوتا ہے کہ یہہ خیال میرے ابنائے جنس کی ترقی مین معاون ہوگا، اگر چہ اُس کو اپنے ذاتی نقصان پہونچنے کا یقین ہو۔ اس قوت کے جوش و خروش کا وہی شخص اندازہ کر سکتا ہے، جس کے دل مین اُسکا کبھی ظہور ہوا ہے اوسکو محسوس ہوتا ہے کہ اگر مین اس قوت کے اقتضا کی پیروی نکرونگا

اور باقی تمام قوتون کو اسکی اعانت مین مصروف نکرونگا تو وہ اُن تمام قوتون کو مغلوب و مقہور کر کے بے جا اور ناپسندیدہ طور پر ظاہر ہوگی۔ گویا کہ وہ ایک محبوس گیس ہے جو دبانے سے سخت ہولناک آواز پیدا کرتی ہے اور بسا اوقات گرد و پیش کی چیزون کو ہلاک اور برباد کر دیتی ہے۔

اس کی تائید مین گذشتہ زمانہ کے بے شمار دلائل بیان کئے جا سکتے ہین، کیونکہ قومون کی تاریخین اون مناقشات اور جدال و قتال سے بھری پڑی ہین، جو ایک خیال کو دوسرے خیال پر، اور ایک مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دینے اور غالب کرنے کے لئے برپا ہوئے ہین۔ اِن لڑائیون مین کبھی حق کو غلبہ ہوتا تھا اور کبھی باطل کو، اور نیز اسلامی قومون کا بھی ابتدائی اور وسطی قرنون مین یہی حال تھا۔ اور اس سے بھی بڑھکر مغربی ممالک مین جنگ و جدال کی قیامت برپا رہی جنکی نسبت کہا جا سکتا ھے کہ اُنکی زندگی حق اور باطل کے درمیان ایک دائمی جہاد ھے جسکی کسی وقت انتہا نہین ھوسکتی۔ ایک اندرونی جہاد ھے جو قوم کی افراد کے درمیان علوم و فنون اور صنعتون اور حرفتون مین ہو رہا ہے، اور دوسرا بیرونی جہاد ہے جو قومین ایک دوسرے کے ساتھہ کر رہی ہین، خصوصاً اس صدی مین جس مین نئی نئی ایجاد اور اختراعات نے مسافت اور دوری کو باطل کر دیا ہے، حتیٰ کہ اُن لوگون کی تعداد جنھون نے تمام کرۂ زمین پر سفر کیا ہے، ہزارون تک پہونچ گئی ہے۔ اگر کوئی مشہور اور نامور مصنف کوئی کتاب تصنیف کرتا ہے تو وہ اثنائے طبع مین متعدد زبانون مین ترجمہ ہو جاتی ہے اور ایک ہی وقت مین ۵ یا ۶ زبانون مین شایع ہوتی ہے۔

اس وقت صرف وہی قومین افسردگی اور پژمردگی کی حالت مین ہین جو ہماری ہم خیال ہین۔ ہم نے اپنی عقلون سے کام لینا چھوڑ دیا ہے حتیٰ کہ اب وہ اس بنجر زمین

کی مانند ہو گئے ہین جس مین کسی قسم کی سبزی نہین اُگ سکتی۔ ہماری سستی اور کاہلی کی نوبت یہانتک پہونچ گئی ہے کہ ہم ہر ایک مفید خیال کو، جس سے ہمارے مذاق آشنا نہین ہین خواہ وہ قدیم مسلمانون کا مستحسن طریقہ ہو، یا زمانہ حال کی ضرورتون اور مصلحتون کے مطابق ہو، نفرت اور دشمنی کی نظر سے دیکھتے ہین۔

ہماری قوم کے اکثر کاہل اور سست لوگ، جو حریف کے مقابلہ مین دلائل کے پیش کرنے سے عاجز ہین، جب اونکے سامنے کوئی حق بات کہی جاتی ہے، یا کوئی مفید خیال ظاہر کیا جاتا ہے تو وہ اوس کی تردید مین صرف یہہ کہہ دیتے ہین، کہ "یہہ اسلام مین بدعت ہے" یہہ الزام وہ صرف اس لئے لگاتے ہین کہ اُسکے سمجھنے اور غور و فکر کرنے، اور اُس پر عمل کرنے کی تکلیف سے رہائی ملے۔ گویا خداوند تعالیٰ نے مسلمانون کو ایک خاص متبرک مٹی سے پیدا کیا ہے، اور اون کو نیچر کے اون تمام قوانین سے جو نوع انسان اور تمام زندہ مخلوقات پر حکمرانی کرتے ہین مستثنیٰ کر دیا ہے۔

یہہ رسالہ جس کو مین آج شایع کرتا ہون غالبًا اُس کی نسبت بھی بعض حضرات یہہ فتویٰ دینگے کہ "بدعت ہے" مین کہتا ہون کہ بے شک بدعت ہے، مگر اسلام مین بدعت نہین بلکہ رسم و رواج اور عادات اور معاملات مین بدعت ہے، جنکی اصلاح اور تکمیل کرنا ہر حالت مین مستحسن ہے

کس وجہ سے مسلمانون کا یہہ اعتقاد ہے کہ اُن کے اخلاق و عادات مین تغیر و تبدل نہین ہو سکتا اور قیامت تک اون کو اپنی موجودہ عادات کی حفاظت کرنا واجب ہے؟ اور کیون وہ اسی اعتقاد کے مطابق عمل درآمد کرتے ہین؟ کیا مسلمان خدا کی فطرت کی مخالفت کر سکتے ہین جو اوسکی خلقت مین جاری اور ساری ہے؟ اوس نے تغیر و تبدل کو

زندگی اور ترقی کی شرط قرار دیا ہے اور سکون اور انجماد کو تنزل اور موت کا پیش خیمہ ٹھیرا دیا ہے کیا عادت کے یہہ معنی نہین کہ وقت اور موقع کے مناسب اپنی معاشرت اور معاملات مین ایک خاص طریقہ کی پابندی برقرار دادہو جائے؟ کون شخص ہے جو اسبات سے کے معلوم کر لینے کے بعد، کہ عادت انسانی عقل کے ثمرات مین سے ایک ثمرہ ہے جسمین زبانون اور ملکون کے اختلاف کے لحاظ سے تغیر ہوتا رہتا ہے، یہہ تصور کرسکتا ہے کہ عادات مین تغیر و تبدل نہین ہوسکتا؟ اہل اسلام جو کرہ زمین کے مختلف ممالک مین پہیلے ہوئے ہین، کیا وہ عادات اور طرز معاشرت کے لحاظ سے متفق ہین؟ کون شخص یہہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ جس چیز کو سوڈانی پسند کرتا ہے اُسکو ترکی یا چینی یا ہندوستانی بہی مستحسن خیال کرتا ہے؟ یا یہہ کہ قصبات اور دیہات کے اکھڑ گنوارون کی کوئی عادت شہر کے مہذب اور شایستہ باشندون کی عادت کے مطابق ہوسکتی ہے؟

حقیقت یہہ ہے کہ ہر ایک قوم کے لئے ہر ایک زمانہ مین اوسکی عقلی حالت کے مناسب خاص خاص اخلاق و عادات ہوتے ہین، جو اقلیم کی آب و ہوا، باہمی میل جول مذہبی عقائد لٹریری خیالات، علمی اختراعات اور سیاسی نظامات کے زیر فرمان ہوتے ہیں آہستہ آہستہ اور بتدریج بدلتے رہتے ہین، اور جس قدر قوم کی عقل ترقی کی طرف حرکت کرتی ہے اوسی قدر اخلاق و عادات پر اُسکا اثر پڑتا ہے۔ اس سے یہہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دو مختلف ممالک کے باشندون کے اخلاق و عادات مین اُسی قدر فرق ہوگا جس قدر اون مین مرتبہ عقل کے لحاظ سے فرق ہے۔ یہہ ایک بدیہی بات ہے جس مین کسی قسم کے شک و شبہہ کی گنجایش نہین۔ اور اسی نسبت کے مطابق مصریون اور یورپ کے باشندون کے درمیان فرق ہوگا۔

چونکہ ہر ایک قوم کے اخلاق و عادات، اور اوس کے مرتبہ علوم اور تمدن کے درمیان، کامل ارتباط ہے اسلئے ہم دیکھتے ہین کہ قومین اپنی عادات کی سب سے زیادہ مطیع اور منقاد ہوتی ہین اور اُن کے چہوڑ دینے یا اون کی مخالفت کرنے پر ہرگز قادر نہین ہوتین مگر جب قوم کے نفوس مین مرتبہ عقل کے لحاظ سے ترقی یا تنزل نمودار ہوتا ہے تو اُسکو اپنی معمولی عادات کی غلامی سے آزادی حاصل ہوتی ہے اور نیز اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ عادات تمام عوامل اور موثرات پر حتی کہ مذہب اور شریعت پر بہی غالب ہو جاتی ہیں۔ اسکی تائید اُن واقعات سے ہوتی ہے جو روزانہ ہم دیکھتے ہین، کہ ہمارے ملک مین قوم کی اصلاح کی غرض سے ہمیشہ قوانین بنائے جاتے ہین، مگر وہ عادات کی تاثیر سے فوراً مفسدہ پردازی کے جدید آلات ہو جاتے ہین۔ یہہ کوئی عجیب بات نہین کیونکہ عادت ایسی چیز ہے جو خود مذہب پر غالب ہو کر اُس کو اس طرح مسخ کر دیتی ہے کہ کوئی شخص اُسکی اصلی صورت کو پہچان نہین سکتا۔

یہی وہ اصل اصول ہے جس کی بنیاد پر عورت کی ترقی یا تنزل، اور قوم کی ترقی یا تنزل مین تلازم پایا جاتا ہے، جس کو ہم بچشم خود دیکھہ رہے ہین اور نیز تاریخ سے اُس کی شہادت ملتی ہے۔ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ تمدن کے ابتدائی دور مین جب انسانی گروہ مین مجتمع ہو کر ایک جگہہ رہنے لگین تو اوس وقت عورت کی حالت غلامی کی حالت سے کچہہ اچھی نہ تھی۔ چنانچہ رومانیون اور یونانیون مین یہہ عام رواج تہا کہ عورت اول اپنے باپ کے اور پہر خاوند کے اور پہر اپنے بڑے بیٹے کی زیر حکومت رہتی تہی اور خاندان کے بزرگ کو اُس پر بالکل مالکانہ حقوق اور اختیارات حاصل تہے۔ وہ جب چاہتا تہا اُس کو بیع یا ہبہ کر سکتا تہا، اور مار ڈالنے کا بہی اُس کو اختیار حاصل تہا اس کے مرنے کے بعد یہہ تمام حقوق اور اختیارات اُس کے وارث کی طرف منتقل ہو جاتے تہے۔ اسلام سے

پیشتر عرب مین بیٹیون کا مار ڈالنا مباح سمجھا جاتا تہا۔ اور مردون کو بغیر کسی تہرتی قید کے بے شمار عورتون کے ساتہہ متعہ کرنا جائز تہا۔ افریقہ اور امریکہ کے وحشی قبائل مین ابتک بہی مردون کو یہہ اختیارات حاصل ہین۔ ایشیا کی بعض قومون کا یہہ اعتقاد ہے کہ عورت کی روح ہمیشہ باقی رہنے والی نہین ہے اور شوہر کی وفات کے بعد اُس کو زندہ رہنا نازیبا ہے۔

یہہ تمام باتین اُن گروہون مین پائی جاتی ہین جن مین علم انتظامات کی بنیاد قایم نہین ہوئی، بلکہ اون کی تمام باتین خاندانون اور قبیلون کے تعلقات کے ساتہہ والبستہ ہین اور صرف قوت ہی ایک قانون ہے جو اون پر حکومت کرتا ہے۔ علیٰ ہذاالقیاس اُن ممالک مین بہی یہی حال ہے جو شخصی حکومت کے زیر فرمان ہین کیونکہ ان ممالک مین بہی بجاے قانون کے شخصی قوت حکمرانی کرتی ہے۔

مگر اون تمام ممالک مین جہان تمدن اور شایستگی اعلی مدارج پر پہونچ گئی ہے ہم دیکہتے ہین کہ عورتون نے اپنی گذشتہ پست حالت سے بتدریج ترقی شروع کردی ہے، اور اُس دور دست فاصلہ کو جو اون کے اور مردون کے درمیان تہا آہستہ آہستہ قطع کرنے لگی ہین۔ کوئی تیز چل رہی ہے، کوئی آہستہ آہستہ قدم اُٹھا رہی ہے کوئی دوڑ رہی ہے غرضکہ اپنے اپنے ملک کی تہذیب اور شایستگی کے مطابق تمام ممالک کی عورتین ترقی کر رہی ہین چنانچہ سب سے پہلے جماعت مین امریکن عورتین ہین اسکے بعد انگریزی اور پہر جرمن اور پہر فرانسیسی اور اسٹرین اور پہر اٹالین اور رشین عورتین ہین۔ اُنہون نے معلوم کرلیا ہے کہ وہ بہی آزادی اور استقلال کی مستحق ہین اسلئے وہ اپنے مقصد کے حاصل کرنے اور اوسکے وسائل مہیا کرنے مین مصروف ہین۔ اُنہون نے معلوم کرلیا ہے کہ وہ بہی نوع انسان مین داخل ہین اور اسلئے وہ اُن تمام حقوق کا جو انسان

کو حاصل ہیں مطالبہ کرتی ہیں۔

مغربی لوگ جو تمام عمدہ اور مفید باتوں کو اپنے مذہب کی طرف منسوب کرنا پسند کرتے ہیں اونکا خیال ہے کہ یورپ کی عورتوں کو صرف عیسائی مذہب کی مساعدت سے ترقی اور آزادی حاصل ہوئی ہے، حالانکہ یہہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ مذہب عیسوی نے کوئی ایسا نظام مرتب نہیں کیا جو عورتوں کی آزادی پر مشتمل ہو۔ نہ اُس نے عورتوں کے حقوق کی نسبت خاص یا عام احکام بیان کئے ہین اور نہ اس بارہ مین اپنے پیروون کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے کچھہ اُصول قرار دئے ہین۔ عیسائی مذہب جس قوم مین داخل ہوا ہے، اُس کے اخلاق پر اس قسم کا کوئی اثر نہین ڈالا، بلکہ جو کچھہ قوم کے اخلاق و عادات ہوتے تھے خود مذہب اُنہین کے سانچے مین ڈہل جاتا تہا۔ بہرحال اگر کسی مذہب کو اخلاق و عادات پر تسلط ہوتا تو آج مسلمان عورتین روے زمین کی عورتون کی نسبت ترقی اور آزادی مین پیش قدم ہوتین۔

مذہب اسلام نے عورتون اور مردون مین مساوات قرار دیکر تمام مذہبون اور شریعتون پر سبقت کی۔ اُس نے ایسے وقت اُن کی آزادی اور استقلال اور خودمختاری کو علی الاعلان بیان کیا، جبکہ وہ تمام قومون مین نہایت پستی اور انحطاط کی حالت مین تہین۔ اُس کو تمام انسانی حقوق عطا کئے جو مردون کو حاصل تھے اور خرید و فروخت اور ہبہ اور وصیت وغیرہ تمام کاروبار اور معاملات مین بالکل مرد کے برابر اس کے حقوق کو تسلیم کیا۔ وہ اپنے شوہر اور باپ کی اجازت کے بغیر اپنے معاملات طے کر سکتی ہے۔ اسلامی شریعت کے عطا کئے ہوئے یہہ حقوق، جو آج تک بہی تمام و کمال یوروپ کی بعض عورتون کو بہی حاصل نہیں ہوئے ہین، اس بات کی شہادت دیتے ہین کہ عورت کا احترام و

مردون کے ساتھہ اوسکی مساوات قایم کرنا اسلامی شریعت کے اصول مین داخل ہے بلکہ ہماری شریعت نے عورتون کے ساتھہ نہایت نرمی اور رعایت برتی ہے۔ اور نہ انگی کاروبار اور گھر کا خرچ حتی کہ اولاد کی پرورش کا بار بھی اُنکے ذمہ نہین ڈالا۔ حالانکہ یورپ کے بعض قوانین مین فرائض کے لحاظ سے تو دونون مین مساوات قایم رکھی گئی ہے۔ مگر حقوق کے لحاظ سے مردون کو عورتون پر ترجیح دی گئی ہے۔

عورتون اور مردون کے حقوق کی مساوات کی طرف شریعت اسلام کا میلان ظاہر ہے، حتی کہ فسخ نکاح کے مسئلہ مین بھی اُس کو ایسے طریقے بتلائے گئے ہین، جو ہر طرح قابل وقعت ہین، اور جن کی نسبت ہم آگے چل کر گفتگو کرینگے۔ اس مسئلہ کی نسبت جو اہل یورپ کے توہمات یا بعض مسلمانون کے خیالات ہین وہ بالکل بے اصل ہین۔

مجھکو صرف ایک مسئلہ معلوم ہے جس مین مردون کو عورتون پر امتیاز اور خصوصیت عطا کی گئی ہے اور وہ مسئلہ تعدد ازواج ہے۔ اسکا سبب ظاہر ہے جو مسئلہ نسب سے تعلق رکھتا ہے۔ یہہ ایک ایسا اہم مسئلہ ہے جس کے بغیر عقد نکاح کی ہستی باقی نہین رہ سکتی۔ اسکی نسبت بھی ہم عنقریب گفتگو کرینگے۔ غرض کہ مذہب اسلام کے احکام اور اوس کے مقاصد مین کوئی ایسی بات نہین پائی جاتی جسکی طرف مسلمان عورتون کا انحطاط منسوب ہو سکے بلکہ اسکے برخلاف اوس نے عورتون کو سوسیٹی مین عزت اور احترام کا ایک اعلی درجہ عطا کیا ہے۔

مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ اس مقدس مذہب پر ایسے اخلاق و عادات مسلط ہو گئے، جو اون قومون کے ساتھہ میل جول سے ہمکو حاصل ہوئے تھے جن مین مذہب اسلام کی اشاعت ہوئی تھی، اور جو اپنے عادات اور خیالات اور اوہام کو لئے ہوئے

اسلام مین داخل ہوئی تہین۔ اون قومون کا علم اس درجہ کا نہین تہا کہ عورت کو اُس مقام اور مرتبہ پر پہونچا دے، جو شریعت نے اوسکے لئے مقرر کیا ہے۔ اِن اخلاق و عادات کی بدستور باقی رہنے کی بڑی وجہ یہہ بہی ہوئی کہ ہم کو پے در پے شخصی حکومتون کے زیر فرمان رہنا پڑا۔

مختلف ملکون اور مختلف زمانون مین اسلامی جماعتین نظامات سیاسی سے محروم رہین، جن سے حاکم اور محکوم کے حقوق کی تحدید ہوتی ہے اور رعایا کو اس بات کا حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اعتدال کی حدود پر قایم رہ کر جو قانون نے اُس کے لئے مقرر کئے ہین، اپنے حقوق کا مطالبہ کرے۔ بلکہ اسلامی حکومتون نے رفتہ رفتہ شخصی حکومتونکی شکل اختیار کر لی تہی۔ بادشاہ اور اوس کے اعوان و انصار کو پورا اختیار اور اقتدار حاصل تہا۔ وہ جسطرح چاہتے تہے بلا روک ٹوک اور بغیر کسی کے مشورہ کے سلطنت کے معاملات انجام دیتے تہے اور ملکی اور انتظامی کاروبار مین رعایا کی آواز بالکل نہین سُنی جاتی تہی۔

ہان بے شک حاکم کو خواہ وہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ عدل و انصاف کی پیروی کرنا اور ظلم سے بچنا لازم سمجہا جاتا تہا لیکن متواتر تجربہ سے یہہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ غیر محدود تسلط اور اقتدار کا انجام جبکہ اوسکی کوئی حد مقرر نہ ہو اور نہ کسی نکتہ چینی کا خوف ہو اور نہ کوئی جماعت اوسکی نگرانی کرنے والی ہو، اچہا نہین ہوتا اور وہ غیر محدود تسلط اور اقتدار بے جا طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہہ ہی وجہ ہے کہ اسلامی قومون کو شخصی اور جابرانہ حکمتون کے زیر فرمان صدیان گذر گئی ہین، حاکمون اور بادشاہون نے انتظام ملک داری مین بالکل اپنی خواہشات کی پیروی کی اور اوسکو ایک کہیل سمجہہ کر بری طرح اُس مین تصرف کیا، بلکہ

اکثر اوقات مین خود مذہب کے ساتھ بھی تمسخر کیا گیا۔ ان حاکمون اور بادشاہون مین بہت ہی قلیل تعداد ہے جو مستثنیٰ ہوسکتی ہے اور جو بمقابلہ اکثر کے قابل ذکر بھی نہین معلوم ہوتی

جب کسی قوم پر شخصی اور بے قید حکومت مسلط ہوتی ہے تو اُس کا اثر صرف حاکم اعلیٰ ہی تک محدود نہین رہتا، بلکہ حاکم اعلیٰ کی ذات سے تجاوز کرکے اوس کے گرد وپیش کے لوگون مین سرایت کرتا ہے اور پھر بتدریج وبائی مرض کی طرح تمام قوم مین پھیل جاتا ہے اور ہر ایک زبردست کا جب کبھی قابو چلتا ہے، فوراً زیردست کو دبانا چاہتا ہے۔ حاکم اعلیٰ اس کو پسند کرے یا ناپسند کرے۔ مگر یہہ حالت بہرکیف تمام افراد قوم کے نفوس مین سرایت کر جاتی ہے۔

اِن شخصی اور بے قید حکومتون کا یہہ اثر ہوا کہ مرد چونکہ زبردست تہا اوس نے عورت کو ضعیف اور کمزور مخلوق سمجھکر اُسکی تحقیر اور توہین کرنا شروع کی۔ شاید اس کا یہہ سبب ہو کہ جو قوم بے قید حکومت کے زیر فرمان رہتی ہے اس پر سب سے پہلا اثر یہہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کے اخلاق وعادات فاسد ہوجاتے ہین۔

ممکن ہے کہ کسی شخص کو یہہ شبہہ ہو کہ مظلوم شخص عدل وانصاف کو پسند کرتا ہے اور چونکہ وہ ظلم وستم کی تکلیفات اوٹھاتا ہے اسلئے شفقت کی طرف اُس کا میلان ہوتا ہے۔ مگر مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم قوم کا اخلاقی مطلع ہرگز صاف نہین رہتا اور نہ اوسکی سرزمین مین عمدہ اور پاکیزہ اخلاق کی نباتات پیدا ہوتی ہے بلکہ اُس مین صرف بداخلاقیون اور رذیل اور کمینہ خصلتون کی نشو ونما ہوتی ہے۔ مصر کے وہ اشخاص جنہون نے گذشتہ بے قید حکومتون کا زمانہ دیکھا ہے، جسکو کچھہ زیادہ عرصہ نہین ہوا اون کو معلوم ہے کہ گانون کے مقدم سے اگر دس اشرفیان لی جاتی تہین تو وہ اُسکے

معاوضہ مین گانون والون سے سو اشرفیان وصول کرتا تھا۔ اسی طرح اگر کسی مقدم یا پٹیل کو دس بیدین لگوائی جاتی تھین تو وہ اپنے گانون مین اگر سو کاشتکارون سے اس کا انتقام لیتا تھا۔

ایسی حالت مین ایک طبعی بات ہے کہ انسان صرف قوت کا احترام کرتا اور اوسی کے سامنے سر جھکاتا ہے۔ مگر چونکہ عورت کمزور تھی اس لئے مرد نے اُس کے تمام حقوق پا مال کر ڈالے اور نہایت تحقیر اور توہین کے ساتھہ اُس سے برتاؤ کرنے لگا خاندان مین ہر درجہ اور ہر طبقہ کی عورتین یعنی بی بیان اور مائین اور لڑکیان نہایت پستی اور انحطاط کی حالت مین زندگی بسر کرتی ہین، نہ اونکی کوئی عزت اور اعتبار ہے اور نہ اونکی کوئی ذاتی راے مانی جاتی ہے وہ صرف مردون کی مطیع و فرمان بردار ہین اور اس اطاعت کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ مرد ہین اور یہہ عورتین ہین۔ مردون کی ہستی کے مقابلہ مین اونھون نے اپنی ہستی کو فنا کر دیا ہے اور تمام مخلوقات اور کائنات مین سے صرف گھر کی چار دیواری اونکی قسمت مین لکھی گئی ہے، جس مین وہ محبوس اور جہالت اور تاریکی کے پردون مین مخفی رہتی ہین۔ مرد اون کو بطور سامان التذاذ کے استعمال کرتے ہین اور جب چاہتے ہین اون کے ساتھہ لہو و لعب مین مشغول ہوتے ہین مردون کے لئے آزادی ہے اور عورتون کے لئے غلامی، اونکے لئے علم اور انکے لیے جہالت اُنکے لیے عقل اور انکے لیے حماقت اُنکے لئے امر و نہی اور انکے لئے اطاعت اور صبر، غرضنکہ اُن کے لئے دنیا کی تمام چیزین ہین اور منجملہ اونکے عورتین بھی ہین جن کے وہ مالک ہین۔

یہہ بھی عورت کی تحقیر ہے کہ مرد گوری یا کالی لونڈیون سے اپنا گھر بھر لیتا ہے، یا

متعدد بیان کرلیتا ہے اور خواہش نفسانی کا مطیع و منقاد ہو کر عیش پرستی اور حصول التذاذ
مین مستغرق اور منہمک ہو جاتا ہے، مگر میانہ روی اور عدل و انصاف جس کو مذہب نے
فرض کیا ہے اُس کی بالکل پروا نہین کرتا۔

یہہ بھی عورت کی تحقیر ہے کہ شوہر اپنی عورت کو بے سبب طلاق دیدیتا ہے۔

یہی عورت کی تحقیر ہے کہ اول مرد دسترخوان پر بیٹھکر تنہا کھانا کھاتا ہے اور اوسکے بعد گھر کی
تمام عورتین ماں بہن اور زوجہ سب جمع ہو کر اُسکا بچا ہوا کھانا کھاتی ہین۔

یہہ بھی عورت کی تحقیر ہے کہ اوسکی آبرو کی حفاظت کے لئے کوئی خادم یا آغا بطور
نگہبان کے مقرر کیا جاتا ہے اور جہان کہین وہ جاتی ہے سایہ کی طرح اوس کے ساتھہ
ساتھہ جاتا ہے۔

یہہ بھی عورت کی تحقیر ہے کہ مرد علی الاعلان کہتے ہین کہ عورتون کی امانت داری پر ہرگز
بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔

یہہ بھی عورت کی تحقیر ہے کہ اُسکو عام زندگی اور اون تمام کامون سے جو اُس کے
متعلق ہین روکا جاتا ہے۔ نہ معاملات مین اوسکی کوئی راے ہے اور نہ فنون مین اُسکو
مذاق ہے، اور نہ مذہبی اعتقادات مین اوسکو کچھہ دخل ہے، اور نہ قومی اور مذہبی شعور اور
احساس سے اوسکو کچھہ علاقہ ہے۔

اگر یہہ کہا جائے کہ چند سال پیشتر مصر مین عورتون کی یہی حالت تھی جو اوپر بیان
کی گئی تو اِس مین کچھہ مبالغہ نہین ہے۔ گذشتہ چند سال مین چونکہ حکمرانی کرنے والی قوت
کسی قدر اعتدال کے درجہ پر پہونچ گئی، اور اہل مصر عقلی اور دماغی ترقی سے بہرہ یاب ہوئے
اس وجہ سے مردون کو جو تسلط اور اقتدار عورتون پر حاصل تھا، اوس مین بھی کسی قدر کمی

ہو گئی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہین کہ عورتین بھی اپنے ضروری کاروبار کے لئے اپنے گھرونکی چاردیواری سے نکلنے لگی ہین، اور سیر و تفریح اور ہوا خوری اور مظاہر قدرت کے دیکھنے کیلئے عام سیرگاہون مین آنے جانے لگی ہین۔ بہت سی عورتین اپنے شوہرون کے ساتھہ اجنبی ممالک مین سیر و سیاحت کی غرض سے جاتی ہین، اور بہت سے روشن خیال مردون نے اپنی عورتون کو خانگی زندگی مین ایک مناسب درجہ عطا کیا ہے۔

ان امور کا صرف یہی باعث ہے کہ بعض مردون کو اپنی عورتون پر بھروسہ اور اونکی امانت داری پر اطمینان حاصل ہو گیا ہے۔ یہہ عورتون کے لئے ایک نئی عزت ہے جو ان کو دی گئی ہے۔

بے شک اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ یہہ تغیر و تبدل جو بالفعل مصری عورتون کی حالت مین نمودار ہوا ہے، اعتراض اور نکتہ چینی سے محفوظ نہین رہ سکتا۔ مگر اس نکتہ چینی کا باعث نفس تغیر نہین ہے بلکہ اس کے گرد و پیش کے حالات ہین، جنکی بنیاد پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے اور منجملہ اون حالات کے تربیت کا نقص اور پردہ کی رسم کا استحکام ہے، جو قوم کی بہت بڑی جماعت مین جاری ہے۔ پس اگر عورتون کی تمدنی اور اخلاقی تربیت درجہ تکمیل کو پہونچ جائے اور پردہ کو معتدل بنا کر اُس حد پر لایا جائے جو اکثر اسلامی مذاہب مین مقرر کی گئی ہے، تو یہہ اعتراضات اور نکتہ چینیان رفع ہو سکتی ہین اور قوم اپنی تمام افراد، عورتون اور مردون سے فائدہ اُٹھا سکتی ہے۔

عورتین بھی مردون کی طرح انسان کی جنس مین داخل ہین۔ اگر دونون کی جسمانی ترکیب پر غور کرو تو صاف معلوم ہوگا اعضا، حواس، عقل و فکر، جذبات و خیالات اور اون تمام باتون کے لحاظ سے جو انسان ہونے کے لئے درکار ہین دونون مین کوئی

فرق نہین ہے۔

موجودہ حالت مین جسمانی اور روحانی قوتون کے لحاظ سے مردون کو عورتون پر جو فضیلت اور فوقیت حاصل ہے۔ اُسکا سبب یہہ ہے کہ مرد ہزارون برس سے علمی اور عملی ترقیون کے میدان مین برابر دوڑتا رہا ہے اور عورت اِن قوتون کے استعمال سے محروم رہی ہے۔ اور ایسی لپست حالت مین رہنے پر مجبور کیگئی ہے جو بلحاظ مختلف زمانون اور ملکون کے مختلف رہی ہے۔

بہت سے لوگون کا یہہ خیال آجتک قایم ہے کہ عورتون کو تعلیم و تربیت دینی ضروری نہین ہے۔ بلکہ بہت سے لوگ آپس مین سوال کرتے ہین کہ عورتون کو لکھنا پڑہنا شرع کی رو سے جائز ہے یا قطعی حرام ہے ؟

مجھے خوب یاد ہے کہ مین نے ایک دفعہ ایک شخص کو سمجھایا کہ وہ اپنی لڑکی کو تعلیم دے جس کی عمر نو برس کی تہی اور جس مین حسن و جمال کے ساتھہ ذاتی قابلیت کی چمک دمک بھی پائی جاتی تہی۔ اُس نے ناک بہون چڑھاکر کہا کہ آخر آپ کا مطلب کیا ہے ؟ کیا آپ چاہتے ہین کہ اُسکو سرکاری ملازمت مین داخل کیا جاے ؟

مین نے کہا تو کیا آپ کے نزدیک صرف وہی لوگ تعلیم پانے کا حق رکھتے ہین جو سرکاری ملازمت کرنا چاہیں ؟ اُس نے کہا مین تو خانگی انتظام کے سوا کسی چیز کی تعلیم دینا پسند نہین کرتا۔

یہہ بات اوس نے ایسے لہجے مین کہی جس سے معلوم ہوتا تہا کہ وہ اپنی راے پر کسی نکتہ چینی کا روادار نہین ہے۔ یہ ظالم باپ خانگی انتظام کے لفظ سے یہی معنی مراد لیتا تہا کہ اوسکی لڑکی کو معمولی طور پر کچھہ سینا، پرونا، کہانا پکانا آجاے اور بس۔ اس مین

شک نہین کہ یہہ تعلیم بہی لڑکیون کے لئے مفید بلکہ لازمی ہے مگرمین بلاخوف تردید کے بہ آواز بلند کہتا ہون کہ اوس کی راے غلط اور اوسکا خیال نادرست تہا کیونکہ جس لڑکی کی اتنی ہی معلومات ہون وہ گہر کا انتظام ہنوز نہین کرسکتی۔

میری راے مین کوئی عورت گہر کا انتظام نہین کرسکتی جب تک کہ اوسکو عقلی اور اخلاقی علوم مین ایک خاص حد تک دستگاہ نہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ اوسکو ابتدا مین کم سے کم اتنی تعلیم دیجاے جتنی کہ لڑکون کو ابتدائی تعلیم دیجاتی ہے تاکہ علوم کی ابتدائی باتین اوسکو معلوم ہو جائین اور وہ جب کبہی چاہے اپنے مذاق کے موافق کسی علم کو پسند کرسکے اور اوسکو درجۂ کمال پر پہونچا سکے۔

اگر عورتون کو لکہنا پڑہنا آجاے اور وہ علمی اصولون پر مطلع ہوجائین۔ دنیا کے جغرافیے اور قومون کی تاریخ سے آگاہی حاصل کرین۔ ہیئت اور طبیعیات پر بہی کچھ کچھ ان کو عبور ہوجاے۔ مذہبی عقائد اور مذہبی مسائل سے بہی بے خبر نہ رہین تو ان کے دماغ اس قابل ہوجائینگے کہ وہ صحیح راے کو تسلیم کرسکین اور اوہام کا مقابلہ کرسکین جنہون نے اونکی عقلی زندگی کو برباد کردیا ہے۔

جو لوگ عورتون کی تربیت کرنا چاہین اون پر فرض ہے کہ بچپن سے اونکو ایسے عمدہ اور پاکیزہ اخلاق کا خوگر کرین جن کا اثر انسانکی ذات پر خاندان کے لوگون پر اور تمام قوم پر ہوتا ہے تاکہ وہ اخلاق رفتہ رفتہ اون کے دل مین جگہہ پکڑین اور اونکا نقش گہرا بن جاے یہہ مطلب زبانی ہدایتون کے سننے اور عمدہ اور نیک مثالون کے دیکہنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔

یہہ وہ تربیت ہے جس کی نسبت میری دلی آرزو ہے کہ وہ مصری عورتون کو حاصل ہو۔ اگرچہ مین نے اسکی طرف مجمل اشارہ کیا ہے مگراس موضوع پر اکثر زبانون مین کتابین لکھی گیٔی ہین۔ مین ایک منٹ کے لیئے بہی خیال نہین کرسکتا کہ کوئی عورت بغیر اس تربیت کے اُن فرائض کو ادا کرسکتی ہے جو قومی اور خانگی لحاظ سے اُس کی گردن پر ڈالے گئے ہین۔

ہر شہر مین عورتین کم سے کم نصف آبادی کے برابر ہین۔ اونکے جاہل رہنے کا یہی نتیجہ ہے کہ قوم کے آدہے افراد کے کام کرنے سے جو فائدے پہونچ سکتے ہین اون سے قوم بالکل محروم ہے اور صریح طور پر ہم کو نقصان عظیم برداشت کرنا پڑتا ہے مصری عورتون کو کوئی امر اس بات سے مانع نہین ہے کہ وہ یورپ کی عورتونکی طرح علوم اور فنون لطیفہ (Beaux arts) تجارت اور صنعت وحرفت مین مشغول ہون۔ عدم تربیت اور جہالت کی جو تاریکی عام طور پر چہائی ہوئی ہے وہی ایک سبب مصری عورتون کی ترقی نہ کرنے کا ہے۔ اگر ہم اونکا ہاتہہ پکڑ کر اون کو زندہ تمدن کے مجمع مین لائین۔ زندون کے سے کام کرنا سکہائین۔ اونکی جسمانی اور عقلی قوتون مین جنبش پیدا کرین تو وہ بہی مردون کی طرح جاندار اور کام کرنے والی نظر آئین۔ وہ جسقدر قوم کی دولت کو برباد کرتی ہین اُسی قدر پیدا کرنے لگین اور دوسرون کے سہارے اور امداد پر زندگی بسر کرنا چہوڑ دین اس سے ملک کی عام دولت کو ترقی ہوگی اور قوم کی دماغی قابلیتین معراج کمال پر پہونچ جائینگی۔

ہماری مثال آج کل ایسی ہے جیسے کوئی شخص مال کثیر پیدا کرے اور اوسکو صندوقون مین بند کرکے رکہہ چہوڑے اور ہر روز صندوق کہول کر سونے اور چاندی کو دیکہا کرے

اگر وہ پولیٹیکل اکانومی سے واقف ہوتا تو اُس دولت کو استعمال مین لاتا اور اوس سے نفع اوٹہاتا اور چند ہی سال مین اوسکو دو چند دیکھتا۔

سب سے بڑا سبب قوم کی پستی اور تباہی کا یہہ ہی کہ اوسکے افراد کا بہت بڑا حصہ عضو معطل اور بیکار اور قوم کے ذمہ بار ہو۔ وہ اپنی ضروریات زندگی کے لئے کوئی کام نہ کرتے ہون۔ اور اگر کوئی کام کرین تو مثل ایک بے زبان جانور، یا بے شعور کل کے یہہ بہی نہ جانتے ہون کہ وہ کیا کرتے ہین اور اوسکا نتیجہ کیا ہوگا۔

عورتین تعلیم کی محتاج ہین تاکہ وہ سوچنے سمجھنے والے آدمیون کے گروہ مین داخل ہوسکین۔ ہماری قوم مین عورتون کی حالت اسقدر زبون اور پست ہوگئی ہے کہ جب ہم عورت کا تصور کرتے ہین تو اوسکے ساتھہ ہی یہہ خیال بہی ہمارے ذہنون مین گذرنا لازمی ہے کہ اُس کا کوئی ولی اور سرپرست ہو جو اوسکی حاجتون کو پورا کردے اور اوسکی ضرورتون اور خواہشون کو انجام دے۔ گویا ولی اور سرپرست کا ہونا ایک ایسا امر ہے جو ہر حال مین ضروری ہے۔ حالانکہ واقعات بتاتے ہین کہ بہت سی عورتون کے لئے کوئی ولی اور سرپرست نہین ہوتا۔ وہ لڑکی جس کے رشتہ دار غایب ہین اور اوسکا نکاح نہوا ہو وہ عورت جسکو طلاق دی گئی ہو، وہ عورت جس کا شوہر دنیا سے گذر گیا ہو، وہ مان جسکی اولاد مین کوئی لڑکا نہو، اور اگر ہو تو کم سن اور نابالغ ہو، یہہ سب صورتین ایسی ہین جن مین عورتون کا تعلیم یافتہ ہونا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے (اگر اولاد ہو) معاش پیدا کرسکین۔ اگر وہ تعلیم یافتہ نہ ہونگی تو وہ معاش کے ناجائز ذریعے اختیار کرینگی، یا اونکو کسی فیاض خاندان کے سہارے پر زندگی بسر کرنی ہوگی۔

اگر ہم اوس تحریک کو تلاش کرین جس سے رات کی تاریکی مین بیکس اور نادار عورتونکو

شیطان سیرت نوجوانون کے جذبات کا شکار ہونا پڑتا ہے تو ہمکو معلوم ہوگا کہ اکثر مجبور تون
مین اس ذلت کے قبول کرنے کا باعث لذائذ نفسانی کے حاصل کرنے کی امنگ نہین
ہے بلکہ وہی چیز ہے جس کی نسبت مولا روم فرماتے ہین ؎

آنکہ شیران را کند روبہ مزاج	احتیاج است احتیاج است احتیاج

مصر مین کوئی خاندان ایسا نہین ہے جس کے ذمہ بہت سی اُن عورتون کا
نان و نفقہ نہو جو زمانہ کی گردش سے مفلس ہو گئی ہین اور اپنی معاش کے لئے کوئی
کام کرنا نہین جانتین۔

پس یہہ کہنا کچھہ بیجا نہ ہوگا کہ اکثر خاندان اسی باعث سے کفایت شعاری کے
پابند نہین رہ سکتے۔

یہی سبب ہے کہ اکثر خاندانون کی مالی حالت اچھی نہین ہے یہہ مصر کے ایک
باشندے کو جو اپنی ذات کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے محنت کرتا ہے، اپنی کمائی
کا ایک حصہ اپنے رشتہ دارون، یا دوستون، یا ایسے شخصون پر صرف کرنا پڑتا ہے
جن سے اسکا کوئی تعلق نہین ہے۔ انسانی ہمدردی اوسکو مجبور کرتی ہے کہ اپنی کمائی
مین سے تھوڑا سا روپیہ اُن لوگون پر بھی صرف کرتا رہے تاکہ وہ بھوک سے مرنے نہ پائین
مگر وہ یہی سمجھتے ہین کہ ہمارا حق اسکی گردن پر ہے اور وہ اسی حق کو پورا کرتا ہے۔ یہہ
ہو سکتا ہے کہ وہ بھی محنت کر کے معاش پیدا کرین مگر مشکل یہہ ہے کہ وہ اون قوتون
کا استعمال کرنا نہین جانتے جو قدرت نے اونکو عطا کی ہین۔ اور اس کا باعث صرف یہی
ہے کہ وہ تربیت سے محروم ہین۔

اگر یہہ فرض کر لیا جائے کہ کسی عورت کا شوہر یا سرپرست موجود ہے جو اپنی کمائی

سے اوس کو مدد دے سکتا ہے، تاہم یہہ کون کہہ سکتا ہے کہ اوسکو تربیت کی کوئی ضرورت نہین ہے۔ کیونکہ اگر عورت تربیت یافتہ ہو تو وہ اپنے شوہر یا سرپرست کی مدد کرسکتی ہے، اگر وہ محتاج ہو یا اُس کے بوجھہ کو ہلکا کرسکتی ہے، اگر وہ مالدار ہو۔

اگر عورت بذات خود مالدار ہو (اگرچہ ایسا شاذونادر ہوتا ہے) اور اوسکے پاس جائداد ہو تو کیا اوس جائداد کا انتظام کرنے اور اپنی دولت کو محفوظ رکھنے اور اوسکی ترقی دینے کے لئے اوسکو تعلیم کی ضرورت نہین ہوگی۔؟

ہم دیکھتے ہین کہ بہت سی عورتین اپنا روپیہ کسی رشتہ دار یا غیر آدمی کو سپرد کردینے پر مجبور ہوتی ہین، اور اونکو اپنے معاملات مین مختار کرلیتی ہین۔ یہہ مختار بہ نسبت اُنکے معاملات کے اپنے کامون مین زیادہ مشغول رہتے ہین۔ اور اون جائداد والون کی پروا نہین کرتے جن کا اون کو مختار تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہہ ہوتا ہے کہ مختار چند روز مین مالدار ہو جاتے ہین اور صاحب جائداد عورتین افلاس مین مبتلا ہو جاتی ہین۔

ہم دیکھتے ہین کہ عورتین حساب کی فرد، یا دستاویز، یا اقرارنامے کا مطلب نہین سمجھتین اور نہین جانتین کہ اون مین کیا لکھا ہے اور اون پر بجائے دستخط کی اپنی مہر ثبت کرتی ہین۔ اور شوہر، یا رشتہ دار، یا مختار کی چالاکی اور مکاری سے اپنے قانونی حقوق سے محروم ہو جاتی ہین۔ اگر وہ پڑھی لکھی ہوتین تو ایسا واقعہ ظہور مین نہین آسکتا تھا۔

بہرحال تعلیم بذات خود ایک ایسی چیز ہے جسکی ہرحال مین ضرورت ہے کیونکہ وہ آجکل انسانی زندگی کی ضروریات مین شامل ہوگئی ہے۔ اور جس قوم مین تمدن اور شائستگی نے قدم رکھا ہے اوسکی سب سے مقدم ضرورت ہے۔ علم ہی وہ اعلیٰ مقصد ہے

جسکے لئے ہر انسان دوڑ دہوپ مین ہے۔ اور اوسی پر روحانی اور جسمانی ترقیون کا مدار ہے۔

تنہا علم ہی اس بات کا ذریعہ ہے کہ انسان پستی اور تنزل کے درجے سے گذر کر فضیلت اور شرافت کے بلند مرتبہ تک ترقی کرے۔ اور ہر انسان کو قدرتی حق ہے کہ وہ اپنی فطرتی قوتون کو اوس حد تک پہونچائے جہان تک اوسکی قابلیت اجازت دے۔

تمام ربانی شریعتون اور انسانی قوانین مردون اور عورتون سے یکسان طور پر خطاب کرتے ہین۔ فنون لطیفہ (Fine arts) فلسفہ عالیہ۔ ایجادات و اختراعات کا دروازہ ہر عورت کے لئے اوسی طرح کہلا ہے جسطرح مردون کے لئے۔ کون انسان ہے جو علوم و فنون کے مطالعہ کا شوق نہ رکہتا ہو۔ اور دنیا و آخرت کی کامیابی اور حقائق کا سراغ لگانے کے لئے قدرت کے خزانون سے مستفید ہونا نہ چاہتا ہو؟ یہ اُمنگ جو قدرتی طور سے ہر انسان کے دل مین اوٹہتی ہے اُسکے لحاظ سے مرد اور عورت مین کیا فرق ہے؟ بچون کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی نئی چیز اونکی آنکہ کے سامنے آتی ہے تو اوسکی نسبت باربار سوال کرتے ہین اور جو واقعات اونکے سامنے ظہور مین آتے ہین اون کا سبب دریافت کرتے ہین اس بات مین لڑکے اور لڑکیان دونون برابر ہین بلکہ بعض اوقات بہ نسبت لڑکون کے یہ خاصہ لڑکیون مین زیادہ دکہائی دیتا ہے۔

کون جاندار ہے جس مین روح اور عقل ہو اور وہ اس بات پر راضی ہو کہ اوسکے بازو توڑ دئے جائین اور اوسکو ایک پنجرے مین بند کر دیا جائے اور وہ سر جہکائے آنکہین بند کئے اوس پنجرے مین پڑا رہے۔ اور اوسکے سامنے ایک وسیع اور پرفضا میدان ہو جسکی کوئی انتہا نہین۔ اوسکے سر پر آسمان کا نیلگون شامیانہ ہو۔ ستارے اوسکی نظر کے

ساتھ کھیلتے اور اپنا جلوہ دکھا کر اوجھل ہو جاتے ہون - کائنات کی روحین اوسکو امیدون
اور آرزوؤن کے میدان کی طرف کھینچے لیئے جاتی ہون قدرت نے اپنے خزانے کھول
دیئے ہون کہ وہ اون پر قبضہ کرے اور اون سے متمتع ہو۔

شریعت نے مرد اور عورت دونون کو یکسان طور پر مکلف قرار دیا ہے جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ جو عقل و دانش مرد کو عطا کی گئی ہے وہی عورت کو دی گئی ہے۔ کیا کوئی شخص
جسکو خود غرضی نے اندھا نہین کیا ہے خیال کر سکتا ہے کہ خدا نے جو عقل و درایت
انسان کو عطا کی ہے وہ بیکار ہے اور جو حواس اور جو قوتین اوسکی فطرت مین ودیعت
کی گئی ہین وہ اسلیئے ہین کہ اونکو کام مین نہ لایا جاوے بلکہ اون کو ہمیشہ معطل رہنے دے
مسلمان کہتے ہین کہ عورتین پردہ نشین اور گھر کی زینت ہین اونکے فرائض گھر کی
چوکھٹ پر تمام ہو جاتے ہین - مگر یہ قول اونہین لوگون کا ہے جو خیال کی دنیا مین رہتے
ہین اور جنکو حقیقت سے کوئی واسطہ نہین۔

اگر مسلمان غور کرینگے تو اونکو معلوم ہو جاویگا کہ سب سے پہلا فرض جو عورت
کے ذمہ ہے وہ یہ ہے - کہ وہ بذات خود اپنی زندگی کی ضرورتون کو پورا کر سکے جسکے نہونے
سے اسکے حقوق پامال کئے جاتے ہین - جب تک مرد اونکے معاملات مین مرد ہی جوابدہی
کرتا ہے اور اوسی سے بازپرس کی جاتی ہے تو اوسکی نظر مین عورت کی اتنی ہی وقعت
ہوگی جتنی کسی جانور کی ہوتی ہے جس طرح کسی جانور کا مالک اسکے لیئے چارہ مہیا کرتا ہے
اسیطرح مرد عورت کے لیئے معاش کا بندوبست کرتا ہے۔

صدیاں گذر چکی ہیں کہ عورتیں مردوں کے حکم کے سامنے گردن جھکاتی اور انکے ظلم و ستم کا شکار ہوتی رہی
ہیں مردوں نے ان کی آزادی چھین لی ہے انہوں نے عورتوں کیلئے یہی بات ہمیشہ پسند کی ہے کہ وہ

اونکی خدمت کرتی رہین - اونکے اشارون پر چلتی رہین - اونہون نے عورتون پر روزی حاصل کرنے اور معاش پیدا کرنے کے تمام دروازے بند کردئے ہین - یہانتک کہ اب وہ بذات خود معاش پیدا کرنے سے عاجز ہین اور اس بات پر مجبور ہین کہ شوہر کی کمائی پر گذر کرین یا ناجائز طریقون سے معاش پیدا کرین -

چونکہ عورتون کے دماغ کے لئے غور و فکر کا کوئی میدان باقی نہین رہا - اور زندگی کے مفید کامون کی ذرا بھی وقعت ان کی نظر مین نہین ہے - اوران کا مشغلہ یہی رکھا ہے کہ وہ مردون کی دل جوئی کرین - اور مرد جس طرح چاہین اون کو اپنے نفسانی جذبات کا تختۂ مشق بنائین - اس لئے عورتون نے اپنی تمام قوتین اس کوشش مین صرف کردی ہین کہ شوہرون کی دلجوئی کے نئے نئے طریقے ایجاد کرین اور اونکی خواہشون اور ارادون کے رخ کو پہچانکر کٹ پتلیون کیطرح اونکے اشارون پر ناچا کرین -

بہت زمانہ اس بات کو گذر چکا ہے کہ عورتون کو سچی تعلیم و تربیت سے محروم رکھا گیا ہے - اور اون کی دماغی قوتین کمزور ہوگئی ہین - اب اُن مین صرف احساس کی قوت باقی ہے - ادراک کی نہین - بھلائی اور بُرائی نفع اور نقصان مین تمیز کرنے کے لئے وہ صرف اسی قوت سے کام لیتی ہین - عورتون مین نفرت بھی ہے اور محبت بھی ہے مگر اون مین سے کسی کی بنیاد عقل پر نہین ہے اگر وہ کسی سے محبت کرتی ہین تو اونکی محبت خالص ہوتی ہے اور اون سے بڑے بڑے عمدہ کام ظہور مین آتے ہین مگر اسکا مدار عقل و دانش پر نہین ہے بلکہ محض خواہش نفسانی پر ہے - اسی طرح وہ جب نفرت کرتی ہین تو اون سے بڑے بڑے گناہ صادر ہوتے ہین جنکے انجام سے وہ بے خبر ہوتی ہین - اگر اونکو عقلی اور اخلاقی تربیت دی جاتی تو اون مین وہ قوت ضرور ترقی کرتی جو خواہش

نفسانی پر حکمرانی کرتی ہے۔ اور اونکے ہر کام کی بنیاد حکمت اور اخلاق کے اصولون پر ہوتی
گذری ہوئی صدیون کی تاریکی مین عورتون کی عقل بھٹکتی رہی ہے اور وہ سیدہے
رستے پر چلنا نہین جانتین۔ اور شریعت اور اخلاق کی منزل سے کوسون دور رہ گئی
ہین اور وہ مجبور ہین کہ حیلہ اور مکر کی چال چلین۔ وہ اپنے شوہرون کے ساتھ جو اونکے آقا اور
سرپرست ہین وہی برتاؤ کرتی ہین جو قیدی جیلر سے کرتے ہین اُن مین مکاری اور فریب
کی قوت بے انتہا ترقی کر گئی ہے۔ وہ خانہ داری کے اسٹیج پر طرح طرح کے ایکٹ
کرتی ہین اونکو ہر قسم کے لباس مین جلوہ گر ہونا۔ ہر سانچے مین ڈہل جانا۔ ہر شکل مین در آنا
اور ہر حال اور ہر وقت کے مناسب اپنے تئین بنا لینا خوب آتا ہے۔ اُنکے یہہ سب
کام عقل و حکمت سے نہین بلکہ لومڑی جیسی مکاری اور فریب کی قوت سے ظاہر
ہوتے ہین۔

مگر عورتون کو اس بات مین ملامت کرنا بے سود ہے۔ اُنکے لئے یہہ عذر معقول
ہر وقت موجود ہے کہ اونکی آزادی چہین لی گئی ہے اُنکو تاریک گہر کے پنجرے مین اسلئے
بند کیا گیا ہے کہ ان مین عقل و تمیز کی کوئی بات نہین ہے اور بے عقلی اور بے تمیزی
اسلئے ہے کہ اونکو تعلیم و تربیت سے محروم کیا گیا ہے۔ اس کا گناہ درحقیقت مردون
کی گردن پر ہے جنہون نے اونکو تعلیم نہین دی جنہون نے تربیت سے اونکو محروم
رکہا ہے وہی اونکی عقل و تمیز کی قوت کو پامال کرتے ہین۔ اور وہی اونکی آزادی کا خون
اپنی گردن پر لینے والے ہین۔ ہر ایک انسان کو جس کے دماغ مین سوچنے اور سمجہنے کا مادہ
ہے اوسکو اپنے خاندان کی حالت پر نظر ڈالنی چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ اگر یہی حالت
باقی رہی تو اس مصیبت کا برداشت کرنا ناممکن ہو جائیگا۔

مین اس مضمون کو لکھہ رہا ہون اور میرا دماغ اون واقعات سے بہرا ہوا ہے جنکا تجربہ ہو چکا ہے اور جو میرے تمام خیالات پر غالب آگئے ہین۔ مین اون مین سے کسی واقعہ کا ذکر نہین کرونگا۔ کیونکہ مین جانتا ہون کہ اون مین سے کوئی واقعہ ایسا نہین ہے جو آنکھون کے سامنے نہ آتا ہو اور جسکا خیال دل مین نہ گذرتا ہو۔ ان تمام واقعات کی بنیاد صرف ایک چیز ہے اور وہ جہالت کی ہولناک بیماری ہے جو تمام خاندانون پر چہائی ہوئی ہے۔ اور جس مین امیر و غریب ادنیٰ و اعلیٰ سب کی عورتین مبتلا ہین۔ تمام عورتین جہالت اور نادانی کے لحاظ سے یکسان حالت مین ہین اگر ان مین کوئی اختلاف ہے تو وہ لباس اور زیور کا ہے بلکہ یہہ کہنا ممکن ہے کہ جون جون عورتین دولتمندی مین ترقی کرتی ہین اونکی جہالت بہی بڑہتی جاتی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ ادنیٰ طبقے کی عورتون مین بہ نسبت اعلیٰ طبقے کی عورتون کے عقل و دانش کی جہلک کچہہ زیادہ پائی جاتی ہے۔

کسانون کی عورتین اون سب کامون کو جانتی ہین جو اونکے شوہر کیا کرتے ہین۔ ان مین تقریباً عورت اور مرد ایک درجے اور ایک حالت مین ہین۔ مگر اعلیٰ یا متوسط طبقے کی عورتین مردون سے بہت پیچہے رہ گئی ہین۔ کیونکہ مردونکے دل و دماغ تربیت یافتہ ہین۔ اور اونکی عقلین علم کی روشنی سے منور ہین مگر اونکی عورتون نے ترقی کی اس رفتار مین مردون کا ساتہہ نہین دیا ہے بلکہ وہ اونکے پیچہے بہت دور رہ گئی ہین۔ مردون اور عورتون کا یہہ اختلاف دونون کی بدبختی اور بدقسمتی کا بڑا بہاری سبب ہے۔

تعلیم یافتہ مرد اپنے گہر مین ترتیب و انتظام دیکہنا چاہتے ہین۔ اونکا مذاق شائستہ ہے۔ اونکے خیالات لطیف ہین۔ اونکے جذبات نازک ہین۔ اون مین سے بعض

مرد ایسے ہین جنکی توجہ مادی اور جسمانی امور کی طرف بہت کم ہے ۔ وہ کبھی خاموش رہتے ہین۔ کبھی آپ ہی آپ بولنے لگتے ہین۔ اور کبھی ہنس پڑتے ہین۔ ان ہین سے ہر شخص کے دماغ ہین خاص خیالات گردش کرتے ہین۔ ہر شخص ایک خاص مشرب کو پسند کرتا ہے۔ ایک خاص سوسیٹی کا ممبر ہے جسکی وہ خدمت کرتا ہے۔ ایک خاص ملک ہین رہتا ہے جسکی وہ عزت کرتا ہے۔ اُسکی تمام تکلیفین اور خوشیان باطن سے تعلق رکہتی ہین۔ وہ محتاجون کو دیکھکر روتا ہے مظلومون کو دیکھکر غمگین ہوتا ہے لوگون کے ساتھہ بھلائی کرنے سے خوش ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جو خیال اُسکے ذہن ہین پیدا ہو۔ اور جو فیلنگ اُسکے حواس پر اپنا اثر ڈالے اُسکے اظہار کے لئے کوئی ہمدرد اور ہم خیال اوسکے پہلو ہین بیٹھا ہو۔ اور وہ اپنے دلی خیالات اور جذبات کو اسطرح سے بیان کرتا ہو۔ یہہ ایک قدرتی میلان ہے جو ہر شخص کی طبیعت ہین موجود ہے۔ اگر عورت تعلیم یافتہ نہ ہو تو وہ اپنی تکلیفوں اور خوشیون کو اوس سے پوشیدہ رکھے گا اور اپنے تئین ایک نئی دنیا ہین اور اپنی عورت کو دوسری دنیا ہین دیکھے گا کیونکہ عورت تو یہی جانتی ہے کہ مرد کو دنیا ہین اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ ہمارے لئے نفیس کپڑے اور عمدہ زیور مہیا کرے۔ اور اپنے اوقات ہمارے ساتھہ کھیلنے ہین بسر کرے۔

مرد جب اپنی عورتون کو اس درجہ اور اس حالت پر پاتے ہین تو اونکے دل ہین حقارت کا خیال پیدا ہوتا ہے اور اونکا مردہ تصور کرتے ہین جنکا کوئی افراد نکے معاملات اور زندگی پر نہین ہے۔ عورتین بھی جب مردون کو دیکھتی ہین کہ وہ اپنے خیال ہین سر جھکائے محو رہتے ہین اور اونکی طرف التفات کی نظر سے نہین دیکھتے تو اونکا دل رنجیدہ

ہوتا ہے اور وہ اونکو ظالم خیال کرتی ہیں اور اپنی بدبختی پر روتی ہیں جس نے اون کو ایسے مردوں کے پنجے میں قید کر دیا ہے جو اونکی قدر نہیں جانتے۔ اسطرح انکے دل میں رفتہ رفتہ بغض اور عداوت کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ اب اونکی وہ ہولناک زندگی شروع ہوتی ہے جسکو دوزخ کے عذاب سے کہیں زیادہ خیال کرنا چاہیئے۔ اور جسمین ہر ایک دوسرے کو اپنا دشمن جانی تصور کرتا ہے۔ جو اسکے اور اُسکی کامیابی اور خوش نصیبی کے درمیان حائل ہے۔

یہہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ یہہ حالت اُن مردوں اور عورتوں کی ہے جنکے اخلاق فاسد ہیں، بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ عورت نہایت پاکیزہ اخلاق اور نیک ہے اور مرد بھی شریف طبیعت کا ہے، باوجود اسکے دونوں میں ایسی دشمنی رہتی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی مگر فی الحقیقت نہ اس مرد کا کوئی گناہ ہے اور نہ اس عورت کا، بلکہ اس بدبختی کا باعث صرف یہی ہے کہ تعلیم اور تربیت کے لحاظ سے دونوں کی حالت مختلف ہے۔ اس حالت کا انجام یہی ہوتا ہے (اگر دونوں میں تعلق باقی رہے) کہ اُن میں سے ایک شخص دوسرے کے آرام کے لئے اپنے حقوق کو بالکل تلف کر دے۔ یا دونوں اخیر عمر تک اس بھاری طوق کو اپنی گردن میں ڈالے رہیں لیکن اس صورت میں بیوی اور شوہر کی کوئی حالت ہو، اونکے درمیان محبت کا رشتہ نہیں ہو سکتا، اگر محبت کے اصلی معنی لئے جائیں اور اس میں کچھہ شک نہیں ہے کہ مرد اور عورت کے لئے دنیا میں اس سے زیادہ کوئی خسارہ نہیں ہے کہ وہ محبت کی لذت سے محروم ہوں۔

وہ مذہبی قصے جو آسمانی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حوا کو آدم کی پسلی سے پیدا کیا میرے نزدیک یہہ لطیف اشارہ اس بات

کی طرف ہے کہ مرد اور عورت دونوں ملکر ایک انسان ہیں۔ پورا انسان بغیر ان دونوں کے اتحاد کے نہیں ہوتا۔ اہل یورپ نے غالبًا اسی سبب سے عورت کا نام آدہا انسان رکہا ہے یہہ عمدہ اور پاکیزہ کنایہ اس بات پر اچھی طرح دلالت کرتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں ایک جسم کے ٹکڑے ہیں۔ ایک ٹکڑے کو دوسرے ٹکڑے کی ضرورت ہی اور دونوں کے ملنے سے ایک پورا جسم تیار ہوتا ہے۔

یہہ قدرتی کشش جو مرد اور عورت میں موجود ہے، خدا نے تمام زندہ مخلوقات میں پیدا کی ہے۔ بعض نباتات میں بہی پیوند لگانے کے وقت نر اور مادہ کے درمیان ایک قسم کی حرکت محسوس ہوتی ہے، جسکو دیکھکر طبیعیات کے علما حیران ہیں یہی قدرتی کشش ایک ضروری جزو ہے جو عشق اور محبت کی ماہیئت میں داخل ہے۔ اسی سے مرد اور عورت دونوں کا ایک، دوسرے کی طرف میلان ہوتا ہے۔ انسان میں جو کشش موجود ہے وہ حیوانوں کی کشش سے مختلف نہیں ہے۔ مگر اس کشش کی اصلیت اور حقیقت اور اس کا سبب اسی طرح تاریکی میں ہے جس طرح کہ تقریبًا دنیا کی ہر چیز کی ماہیئت اور حقیقت معلوم نہین ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ یہہ ایک خاص قسم کا سیال ہے جو اعصاب کے مرکزون میں پیدا ہو جاتا ہے۔ جب یہہ کشش مرد اور عورت دونوں کے درمیان پیدا ہوتی ہے، تو ان کو آپس میں ملنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور جب دونوں آپس میں ملتے ہین تو ان پر ایک خوشی طاری ہوتی ہے اونکی آنکہوں سے دلی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ جو اونکے سینوں میں موجزن ہوتے ہین، اگرچہ وہ زبان سے نہ بولتے ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا دونوں کی روحیں اس دنیا میں آنے سے پہلے ایک اور دنیا مین باہم الفت رکہتی تہین۔ پہر جدا ہوگئیں اور ایک نے

دوسرے کو تلاش کرنا شروع کیا جب دونون اس دنیا مین آپس مین مل گئین تو ان مین سی
ہر ایک نے یہی سمجھا کہ اس نے اپنی کھوئی ہوئی چیز پائی ہے جسکو وہ مدت سے
ڈھونڈ رہا تھا اسکے بعد مرد اور عورت دونونکے دل مین طرح طرح کی اُمیدین اور آرزوئین پیدا
ہوتی ہین۔ دونون مین اتحاد شروع ہو جاتا ہے اور اس بات کا گویا اقرار ہو جاتا ہے کہ وہ کبھی
ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے۔ دونون مین سے ہر ایک اپنی کامیابی اور خوش قسمتی کا
مدار دوسرے کی ملاقات پر تصور کرتا ہے۔

لیکن یہہ مادی اور جسمانی کشش جو مرد اور عورت مین ہوتی ہے کچھہ دنون کے بعد کم
ہونے لگتی ہے اور رفتہ رفتہ فنا ہو جاتی ہے پہلی ملاقات مین کیسی ہی گرم جوشی کا اظہار
کیا گیا ہو مگر آخرکار اسکو زوال ہو جاتا ہے۔ مردون اور عورتون کے مزاج مختلف ہین
اس لئے گرم جوشی اور الفت کا زوال کبھی دیر مین ہوتا ہے کبھی بہت جلد اُمیدین دھندلی
پڑ جاتی ہین آرزوئین دہیمی ہو جاتی ہین، اور بجائے رغبت اور الفت کے نفرت اور عداوت
پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر خدا نے انسان مین اس بات کی قابلیت رکھی ہے کہ اگر وہ چاہے
تو ہمیشہ اس فیلنگ کو زندہ اور اس خیال کو تازہ رکھہ سکتا ہے۔ وہ جسمانی اور دلفریب
منظر جس نے مرد کو فریفتہ کیا تھا، اوس کے ساتھہ ایک اور دلچسپ منظر پیش آتا ہی
جو عقلی اور روحانی ہے۔ احساس کی ناپایدار لذت عقلی اور وجدانی لذت کے ساتھہ
بدل جاتی ہے جس کی کوئی انتہا نہین۔ مرد کی پہلی نظر عورت کے چہرے کی صفائی، آنکھون
کی خوشنمائی، قد کی موزونی یا بالونکی درازی پر پڑتی ہے۔ اگر حسن و جمال کے ساتھہ
عادت کی نیکی، عقل کی جودت، مذاق کی نفاست، معلومات کی وسعت، رائے کی اصابت،
باطن کی پاکیزگی، ظاہر کی صفائی، دل کی نرمی، زبان کی سچائی، انتظام کی لیاقت،

خانہ داری کی قابلیت، محبت کی راستی، عہد وپیمان کی پختگی اور دیگر اخلاق حمیدہ اور عادات شائستہ
عورت مین موجود ہون تو مرد کی فریفتگی اور دل بستگی ہزار درجہ بڑھ جاتی ہے اور عورت کا عشق
مرد کی روح مین پیوست ہو جاتا ہے۔ باطنی خوبیان ظاہری خوبیون پر فوق لے جاتی ہین
اور جو لطف اون سے حاصل ہوتا ہے وہ ظاہری خوبیون کے لطف سے زیادہ
پائیدار ہوتا ہے۔ کامل اور پائدار عشق انہین دو عنصرون سے مرکب ہے جن کو دوسرے
لفظون مین حسن صورت اور حسن سیرت کہہ سکتے ہین۔

بعض لوگ کہتے ہین کہ مرد کو عورت کے ساتھہ یا تو محض روحانی عشق ہوتا ہے،
یا محض جسمانی۔ مگر میری راے مین پہلا شخص خیال پرست اور دوسرا شہوت پرست ہے۔
خالص محبت کا وہی لطف اوٹھا سکتا ہے جو روحانی اور جسمانی دونون قسم کی صفات پر
عاشق ہو۔ جو عشق محض جسمانی لذت کی اُمنگ سے پیدا ہوتا ہے وہ کبھی پائدار نہین
ہوسکتا۔ اس کی مثال ایک آتشگیر مادے کے ہے جو ایک دم سے بھڑک
اوٹھتا ہے اور فوراً ہی بجھ جاتا ھے۔

جسمانی لذتین کیسی ہی مختلف ہون نوعیت کے لحاظ سے سب ایک سی ھوتی
ھین۔ اور اُن مین وقت اور موقع کے لحاظ سے بہت کم فرق ہوتا ھے۔ پہلی بار جو لذت
حاصل ھوتی ھے وھی دوسری بار اور وھی تیسری بار وقس علی ھذا۔ تجربے سے ہر شخص
کو معلوم ہو جائیگا کہ بار بار ایک ھی قسم کی لذت کا محسوس ھونا خواہ اُس لذت کو قوت
شامہ سے تعلق ہو، یا باصرہ، یا سامعہ، یا ذائقہ، یا لامسہ سے، اکثر اس بات کا سبب ہوتا
ہے کہ انسان کی رغبت اُس لذت کی طرف کم ھو جاتی ھے۔ پھر رفتہ رفتہ یہہ حالت پیدا
ھو جاتی ھے کہ اعصاب پر اُس کا کوئی اثر نہیں ہوتا مگر روحانی لذتون کا یہہ حال نہین ھے

اس قسم کی لذتین ہر لحظہ اور ہر آن مین بدل جاتی ہین۔ اور اُن سے نیا لطف حاصل
ہوتا ہے۔ ان دوستون کی حالت پر خیال کرو جن مین روحانی اور باطنی تعلق ہے
اور جنکی محبت محض جسمانی لذتون پر مبنی نہین ہے انمین سے ایک کی روح دوسرے کی روح مین ہوست
ہوجاتی ہے۔ اُن کو ہر صحبت مین نیا لطف اور ہر ملاقات مین نیا سرور حاصل ہوتا ہے
وہ کوئی بات کرتے ہون کسی کام مین مشغول ہون۔ اُن کو ہر بات اور ہر کام مین ایک
جدید لذت حاصل ہوتی ہے، اور اُنکی عقل کو ایک نئی غذا ملتی ہے ہر خیال اور ہر جذبہ
اُنکی زندگی پر ایک نئی روشنی ڈالتا ہے اور اُنکی الفت اور محبت کو ترقی دیتا ہے۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ سچی محبت مین کسقدر طاقت ہے، اور اسکو
انسان پر کسقدر غلبہ حاصل ہے۔ شریف انسان کے لئے دنیا مین اس سے بڑھکر کوئی
کامیابی اور کوئی خوشی نہین ہے۔ اگر دولت زندگی کی زینت ہے تو اصلی محبت کو خود
زندگی کہنا ذرا بھی غلط نہین ہے۔ وہ مرد اور عورت جنکی تعلیم و تربیت مین تناسب نہو
اس خوشی اور اس سعادت سے بالکل محروم ہین اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اچھا فرض
کرو کہ مرد تعلیم یافتہ ہے اور عورت تعلیم یافتہ نہین ہے۔ اس صورت مین یہ ممکن ہے
کہ اگر مرد کو عورت کے ساتھ الفت نہو تو عورت کو مرد کے ساتھ ہو۔ مگر ایسا خیال کرنا
اپنے تئین ایک خطرناک غلطی مین ڈالنا ہے۔ کیونکہ وہ اصلی محبت جسکی ترکیب
جسمانی اور روحانی عنصرون سے ہوتی ہے اُسکی بنیاد اس بات پر ہے کہ دونون ایک
دوسرے کو عزت کی نگاہ سے دیکھین۔ مگر ایک کو دوسرے کی نسبت عزت کا خیال اُسوقت
پیدا ہوتا ہے جبکہ یہ اُس دوسرے کی قدر و قیمت سے واقف ہو۔ اور یہ ممکن نہین
ہے کہ جاہل عورت تربیت یافتہ شوہر کی قدر و قیمت جان سکے۔

جن لوگوں کی شادی ہو چکی ہے اگر تم ان سے دریافت کرو کہ آیا اُنکی عورتیں اُن سے دلی محبت رکھتی ہیں ؟ تو وہ یہی جواب دینگے کہ ہاں بیشک ہماری عورتیں ہم سے دلی محبت رکھتی ہیں، مگر اصل میں اونکا خیال درست نہیں ہے وہ خود دہوکے میں ہیں اور اصلی حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں۔ میں نے بہت سے خاندانوں کے حالات دریافت کئے ہیں اور اونکا عمیق نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ یہہ وہ خاندان تھے جنکی نسبت کہا جاتا تھا کہ اُن میں ہر بیوی اور شوہر میں کامل محبت اور دلی اتفاق ہے، مگر افسوس ہے کہ میں نے اُن میں کوئی مرد نہیں پایا جو اپنی بی بی سے دلی الفت رکھتا ہو۔ نہ کوئی عورت دیکھی جو اپنے شوہر کو عزت اور محبت کی نظر سے دیکھتی ہو۔ یہہ ظاہری اتفاق جو بہت سے گھروں میں پایا جاتا ہے اسکا مطلب بس اتنا ہی ہے کہ ان میں تکرار اور لڑائی نہیں ہے۔ مگر ایسا کیوں ہے ؟ اس کا سبب یہہ ہے کہ یا تو شوہر تنگ اور مجبور ہو کر خاموش ہو گیا یا عورت نے شوہر کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنے ملک اور جائداد میں جسطرح چاہے تصرف کرے، یا عورت اور مرد دونوں جاہل اور ناتربیت یافتہ ہیں جو عمدہ زندگی کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔ اور اصلی خوشی اور اصلی کامیابی کے راز سے بے خبر ہیں یہہ اخیر حالت مصر کے خاندانوں میں عام طور پر ہے اور اس میں کسیقدر خوشی اور کامیابی کی جھلک پائی جاتی ہے۔ گو کہ وہ اصلی کامیابی اور اصلی خوشی نہ ہو۔ مگر پہلی دو صورتوں میں اتفاق بہت بڑی قیمت دیکر حاصل ہوا ہے۔ کیونکہ ان صورتوں میں ایک نے دوسرے کے فائدے کے لئے اپنے تئیں بالکل فنا کر دیا ہے۔ ان حالتوں سے قطع نظر کر کے اگر شاذ و نادر کوئی ایسی مثال پائی جائے جس میں مرد اور عورت میں گہرا اور دلی تعلق ہو اور دونوں کو ایک درجے پر تعلیم و تربیت نہ دی گئی تو یہہ نادر مثال

اس قاعدہ کلیہ کو نہین توڑ سکتی جو اوپر بیان ہوچکا ہے۔ عام طور پر مرد اور عورت اس نعمت سے محروم اور اس سعادت سے بے بہرہ ہین محبت کا نہ ہونا عام طور پر مرد کی طرف سے ہے کیونکہ عورت علم و شایستگی مین اُس سے بہت دور پیچھے رہ گئی ہے۔

کوئی بات ایسی نہین ہے جسپر مرد اور عورت باہم گفتگو کرین اور دونون کو تبادلۂ خیالات سے یکسان خوشی ہو۔ اور کوئی راے ایسی نہین ہے جسکو دونون دلی اتفاق سے تسلیم کرسکین اس کا سبب ظاہر ہے کیونکہ مرد جن خیالات مین محو رہتا ہے، جو جذبات اوسکے سینے مین موجزن ہوتے ہین، جن کامون مین اُسکی زندگی بسر ہوتی ہے اور جن کیفیتون سے اُسکا دل مسرور ہوتا ہے، اُن سے عورت کو کوئی علاقہ نہین۔

سب سے بڑھکر یہہ ہے کہ وہ کام جنکے لئے عورت پیدا کی گئی ہے اور جو قدرتی طور پر عورتون ہی کے لئے موضوع ہوئے ہین اُن مین بھی مرد کو کوئی لطف نہین آتا اور عورت کے ساتھہ بیمزگی اور بے لطفی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ اکثر عورتین نہ ہر روز بالون مین کنگھی کرتی ہین، نہ اونکو سنوارتی ہین، نہ ہفتے مین ایک دفعہ سے زیادہ نہاتی ہین، نہ مسواک یا منجن کا استعمال کرنا جانتی ہین، نہ دانت اور منہ صاف رکھتی ہین، نہ لباس کی صفائی کا خیال رکھتی ہین، نہ یہہ جانتی ہین کہ شوہر کے دل مین کن باتون سے رغبت پیدا ہوتی ہے اور اُس رغبت کو کیونکر پایدار کرین اور اُسکو کس طرح ترقی دین۔

اسکا باعث یہہ ہے کہ جو عورت تعلیم یافتہ نہین ہے وہ مردون کی اندرونی اُمنگون اور خواہشون سے ناواقف ہے اور نفرت اور رغبت پیدا ہونے کے اسباب

بے خبر ہے۔ اسی لئے جب وہ چاہتی ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جس سے اُن کی طبیعت مائل ہو، تو میلان طبیعت کے بالکل برخلاف کام کرتی ہے۔ اور اپنی کوشش مین ناکام رہتی ہے۔

عورت جو مرد کے ساتھہ محبت نہین رکھتی، اُسکی وجہ اسکے سوا نہین ہے کہ وہ محبت کے معنی نہین جانتی۔

عورت کا جو خیال مرد کی نسبت ہے، اگر ہم اُس خیال کی تحلیل کرین اور اُس کے اجزا کو جدا جدا کر کے دیکھین، تو وہ دو باتون سے مرکب پایا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ مرد کو اپنے نفسانی جذبات کا پورا کرنے والا خیال کرتی ہے دوسرے یہ کہ اُسکو اپنے لئے اسباب معیشت کا مہیا کرنے والا سمجھتی ہے۔ وہ گہرا تعلق جس کا ذکر ہم کر چکے ہین اور جس کے سبب سے میان بیوی ایک جان اور دو قالب ہو کر رہتے ہین اور جس کے لئے ایک دوسرے کو اپنے مذاق کے موافق انتخاب کرتا ہے اور دوسرے ہزارون آدمیون سے وہ تعلق رکھنا پسند نہین کرتا اور جس کے سبب سے دونون ملکر ایک کامل وجود کہلاتے ہین۔ اور جسکے لئے ہر ایک اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے اور اپنے رفیق اور محبوب کے سوا دوسرا خیال اس کے دل مین نہین آتا۔ اسکی کوئی مثال ہم اپنے ملک مین نہین پاتے۔ ماں کو اپنی اولاد سے جو محبت ہوتی ہے وہ قدرتی ہے۔ اگر اس درجہ کی محبت قدرتی تہو اور دو شخصون کے درمیان پائی جائے تو سمجھنا چاہئے کہ اُن کو دنیا مین نعمت کبریٰ اور سعادت عظمیٰ حاصل ہے۔

مصر کی ہر عورت اپنے شوہر مین اس سے زیادہ کسی بات کی جستجو نہین کرتی

کہ اسکا قد و قامت دراز ہے یا کوتاہ اُس کا رنگ گورا ہے یا کالا شوہر کی عقلی اور اخلاقی پاکیزگی اُسکی عمدہ سیرت اُسکی پاک دامنی، اُسکی نازک خیالی، اُسکی علمی قابلیت، اُسکے شایستہ کام، اُسکے اعلیٰ مقاصد، اور وہ تمام صفات جن سے وہ اپنے ملک اور قوم مین ممتاز اور معزز خیال کیا جاتا ہے ان مین سے کوئی بات ایسی نہین ہے جو عورت کے خیال مین آئے۔ یا اُس کے دل مین شوہر کی وقعت اور عزت پیدا کر سکے۔

پس سب سے پہلا شخص جو مرد کی اِن صفات کی پروا نہین کرتا، اور جو اُسکی قدر و قیمت سے جاہل ہے، وہ اُسکی عورت ہے۔

ہم صریح دیکھتے ہین کہ ہماری عورتین اُن مردون کی تعریف کرتی ہین جن کے ساتھ کوئی شریف آدمی مصافحہ کرنا بھی نہین چاہتا اور ان مردون سے نفرت کرتی ہین جن کے وجود کو ہم اپنی قوم کے لئے مایۂ نازش و افتخار جانتے ہین۔ عام طور پر جاہل عورتون کی راے مردون کی نسبت اُسی درجے کی ہوتی ہے جس درجے پر اُن کی عقل و فراست ہے۔ سب سے اچھا مرد اُنکے نزدیک وہ ہے جو شب و روز اونکے ساتھ لہو و لعب مین مصروف رہے اور جس کے پاس اِس قدر دولت ہو کہ اُنکے لئے زرق برق لباس چمک دمک کے زیور، میوے اور شیرینی اور عمدہ غذائین مہیا کر سکے۔ اسی طرح اُنکے نزدیک سب سے زیادہ حقیر اور قابل نفرت وہ مرد ہے جو کتابوں کے مطالعہ مین محو رہتا ہو۔ جب کوئی عورت اپنے شوہر کو پڑھنے لکھنے مین مشغول دیکھتی ہے تو اُس پر غضبناک ہوتی ہے، اور اُن کتابون اور علمون پر لعنت بھیجتی ہے جنھون نے اس کو عورت کے ساتھ لہو و لعب کرنے سے باز رکھا۔ اور اُس کے اوقات عیش مین خلل ڈالا۔ اور اُسکو اُن حقوق سے محروم رکھا جو شوہر کی گردن پر ہین۔ اس سے مرد اور عورت مین دائمی

تکرار اور مخالفت کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ ابھی ایک لڑائی ختم ہونے نہین پاتی کہ دوسری لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔

بے چارہ مرد کوئی تدبیر نہین پاتا جس سے ان دو دشمنوں یعنی عورت اور علم کے درمیان صلح کرا سکے۔ وہ اُس مرد سے بھی زیادہ حیران اور پریشان ہوتا ہے جس کی دو بیویاں ہوں۔ کیونکہ بسا اوقات دو سوکنون مین آشتی اور صلح کا ہونا ممکن ہے لیکن یہہ ممکن نہین ہے کہ جاہل عورت اور تربیت یافتہ مرد مین کسیطرح موافقت ہو جائے۔ مصر کی کوئی عورت اس بات پر راضی نہ ہوگی کہ وہ ایک عالم کی صحبت مین زندگی بسر کرے۔

یہہ ظاہر ہے کہ جس مرد کی یہہ حالت ہو، اُس کی عملی قابلیت رفتہ رفتہ بالکل نابید ہو جاتی ہے، کیونکہ کسی شخص کا علم بارآور نہین ہو سکتا جب تک کہ اُس کا دماغ افکار سے خالی نہ ہو، اور جب تک کہ اُس کی طبیعت کو کامل اطمینان اور سکون میسر نہ آئے۔ مرد تو آرام اور اطمینان چاہتا ہے جس کی کنجی اُس کی عورت کے ہاتھ میں ہے مگر وہ اُس کے دینے مین بخل کرتی ہے۔ اس حالت مین کیونکر ممکن ہے کہ کوئی تعلیم یافتہ مرد اپنے علم سے کام لے سکے، اور اپنے اعلیٰ ارادون کو عمل مین لاسکے۔

اس بیان سے یہہ نتیجہ صاف نکل آتا ہے کہ مصری عورتیں عام طور پر محبت کی لذت سے ناواقف ہیں۔ خاصکر وہ عورتیں جنکے شوہر تعلیم یافتہ ہوں اور اپنے تئیں ہمیشہ قید کامون مین مشغول رکھتے ہوں۔

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ وہ جس محبت کا تمنے ذکر کیا بیشک وہ اعلیٰ درجہ کی سعادت ہے۔ مگر ایسی نہیں ہے جس کے بغیر میاں بیوی کی زندگی اجیرن ہو جائے۔ کیونکہ اگر

میاں بیوی میں ایسی اعلیٰ درجہ کی محبت نہ ہو، تو یہ بات ممکن ہے کہ اِس نقصان کو اور بہت سی صفات پورا کر سکیں۔ ہمارے نزدیک تو اتنا ہی ہونا کافی ہے کہ عورت مرد کی غمخوار اور اوس کی شریک رنج و راحت اور زندگی کی بعض ضرورتوں میں اُسکی معاون و مددگار ہو۔ ہاں معترض کی طرح ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ عورت مرد کی ہمدم و ہمراز اور اوسکی دست و بازو ہو مگر ایسا ہونا کب ممکن ہے جب کہ عورت جاہل اور ناتربیت یافتہ ہو۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ کسانوں کی عورتیں باوجود جہالت کے اپنے مردوں کے ہر کام میں شریک رہتی ہیں۔ اور گھر کے اندر اور باہر ہر قسم کی خدمت انجام دیتی ہیں مگر اس حالت میں خوشی کے ساتھہ زندگی بسر کرنا اسلئے ممکن ہے کہ دیہات کی زندگی نہایت سادہ اور وحشیانہ ہے۔ اور دہقانوں کی خانگی ضرورتیں بہت کم ہیں۔ مگر اُن شہروں میں جہاں شائستگی ترقی کر گئی ہے، جہاں انسانی ضرورتوں کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے، جہاں معیشت کے طریقے بہت اور مختلف ہیں، جہاں ایک گھر کا انتظام کرنا ایک بڑے کارخانہ کے انتظام کرنے کی برابر ہے۔ اگر وہاں عورت کے ہاتھہ خانہ داری کی باگ دیجائے تو بغیر تعلیم و تربیت کے اُس انتظام کا چلانا ناممکن ہے۔

حقیقت یہہ ہے کہ خانہ داری کا فن آج کل اسقدر وسیع ہو گیا ہے کہ اُسکے لئے بہت سے علوم و فنون کے سیکھنے کی ضرورت ہے آج کل عورت ہی کے ذمہ یہہ کام ہے کہ وہ آمدنی اور خرچ کا بجٹ ایسی لیاقت اور غور و فکر سے تیار کرے کہ گھر کی مالی حالت میں کبھی مشکلات پیش نہ آئیں۔ نوکروں کے کام کی نگہبانی بھی اُسی کے ذمہ ہے تاکہ وہ ایک لمحہ بھی اپنے فرائض سے غافل نہ ہوں۔ کیونکہ بغیر کامل نگرانی کے ممکن نہیں ہے کہ خدمتگار اپنے کام کو شائستگی سے انجام دیں۔ عورت ہی کا یہہ فرض ہے کہ وہ گھر کو خوشنمائی

نظر میں دلچسپ اور مسرت خیز بنائے تاکہ جب وہ محنت سے فارغ ہو کر گھر میں قدم رکھے تو در و دیوار سے اوسکو اُنس ہو اور اس چار دیواری میں وہ آرام و راحت پائے۔ گھر میں چند ساعت قیام کرنا اُسکے لئے نعمت عظمیٰ ہو۔ کھانے اور پینے، سونے اور جاگنے میں اُسکو انتہا کا لطف آئے، بازار یا قہوہ خانے کی صحبت سے اُسکو دلی نفرت ہو جائے۔

عورت ہی کا سب سے بڑا فرض یہہ ہے کہ وہ اولاد کو جسمانی، عقلی اور اخلاقی ہر قسم کی تربیت سے آراستہ کرے۔

یہہ ظاہر ہے کہ ان اصولوں کو جن کا ذکر اجمالاً ہوا ہو جودہ زندگی کے جزئیات پر تفصیل کے ساتھہ منطبق کرنا ایسا کام نہیں ہے جسکے لئے ایک تربیت یافتہ دماغ کی ضرورت نہ ہو اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب تک عورت کی عقل وسیع نہ ہو، دماغ مختلف معلومات سے منور نہ ہو، مذاق صحیح اور طبیعت شایستہ نہ ہو، یہہ ممکن نہیں ہے کہ وہ خانگی انتظام کو عمدگی اور خوبی کے ساتھہ چلا سکے۔ خاصکر اولاد کی تربیت تو بغیر تربیت یافتہ ماں کے ہو ہی نہیں سکتی۔

ہم نے اس امر کو بالکل فراموش کر ڈالا ہے کہ اولاد ماں باپ کے قدم بقدم ہوتی ہے اور خاصکر ماؤں کو اس امر میں بہت بڑا دخل ہے۔ ہم نہایت مبالغہ کے ساتھہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ فاسقوں اور بدکاروں کے گھر نیک اور صالح، اور صالحوں کے گھر بد چلن اولاد پیدا کرتا ہے اور وہ جس طرح چاہتا ہے عقل اور اخلاقی صفات عطا کرتا ہے۔ اگر اس امر کا لحاظ کیا جاوے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے تو اس اعتقاد کے صحیح ہونے میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہو سکتا، بلا شبہہ وہ اپنی لازوال قدرت سے ایسا کر سکتا ہے۔ اگر اس اعتقاد سے یہہ مقصود ہے کہ اُسکو ایسا کرنا ممکن ہے تو کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ اگر وہ چاہے

تو ایسا کر سکتا ھے جس طرح اگر وہ چاھے تو تمام لوگوں کو ایک قوم بنا سکتا ھے اور زمین سے گھاس پات کی طرح حیوانوں کو اُگا سکتا ھے بے شک یہ تمام باتین اُسکی قدرت سے باھر نہین ھین۔ لیکن اُس نے عالم اور اُسکی مخلوقات کے لیئے ایسے قوانین بنائے ہیں اور زندگی کے لئے ایک ایسا نظام مرتب کیا ھے جن مین تغیر و تبدل نہیں ھوتا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم تاریخ انسان ہم کو بتاتی ھے کہ اُسکے روز پیدایش سے آج تک نظام عالم اور اوسکے طبعی قوانین میں تبدل اور تخلف نہیں ھوا۔

خداوند تعالیٰ کی عجیب و غریب حکمت کا بہت بڑا مظہر وہ سچا اصول ھے، جسکی طرف ہم کو علم نے رہنمائی کی ھے۔ اور وہ یہ ھے کہ تمام ذی حیات نوعیں جن میں نوع انسان بھی داخل ھے انکا ھر ایک فرد ھو بھو اپنی اصل کے مطابق ھوتا ھے جس سے وہ پیدا ھوا ھے۔ اُس میں صورت نوعیہ کے علاوہ بالخصوص اُسکے ماں باپ کی صورت بھی ھوتی ھے۔ اسکے یہہ معنی ھیں کہ ھر ایک فرد میں وہ تمام خواص بھی موجود ھوتے ھیں جو اُس کی نوع کو امتیاز دینے والے اور دوسری نوعوں سے جدا کرنے والے ہوتے ہیں اور نیز وہ صفات بھی موجود ھوتی ھیں جو اُسکے ماں باپ کے ساتھ مخصوص ھوتی ھین۔

زمانہ حال کی جدید علمی اکتشافات سے یہہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ھے کہ جسطرح صفرا جگر کے افعال کا نتیجہ ھے اسی طرح تمام عقلی اور اخلاقی ملکات دماغی افعال کے نتائج ہوتے ہیں۔ اور جس چیز کا نام عقل رکھا گیا ھے، اِن افعال کے سوا اُس کا کوئی خاص فعل نہیں ہوتا بلکہ اسکا فعل دماغ اور اعصاب کی حالت کے تابع ھوتا ھے۔ چونکہ اِن اعضا کا مادہ اصل سے منتزع ھوا ھے جس سے یہہ اعضا پیدا ہوئے ھیں، اسلئے وہ بلاشبہہ افعال کے لحاظ سے زیادہ تر اپنی اصل کے تابع ھونگے۔ یہہ بات ظاھر ھے کہ جسم کے باقی رھنے اور نشو و نما پانے کے لئے صرف وہی ابتدائی

مادہ کافی نہیں ہوتا جو اصل سے حاصل ہوا ہے بلکہ اُسکے لیے جسمانی تربیت اور غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی حال عقلی اور اخلاقی ملکات کا ہے، وہ استعداد اور وہ قوتیں جو ماں باپ سے وراثتہً حاصل ہوئی ہیں کافی نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ اُن کے نشو و نما پانے اور ان کے آثار اور نتائج ظاہر ہونے کے لئے روحانی غذا اور مناسب تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس وراثت اور تربیت یہی دو اُصول ہیں جس کی طرف بچہ رجوع کرتا ہے، خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی، اور ان دونوں کے سوا تیسری کوئی چیز نہیں۔

وراثت کے ذریعے سے بچہ کو ان تمام خواہشات اور جذبات کی استعداد حاصل ہوتی ہے جو اُسکے ماں باپ میں ہوتے ہیں (خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے) اور جبکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اُسی وقت یہ استعداد اس میں مستحکم ہو جاتی ہے۔ پس بچے کی صفات اُسکے مادری اور پدری اسلاف کی صفات کے تابع ہوتی ہیں۔ اور تربیت کے ذریعہ سے بچے کا ذہن اُن صورتوں سے لبریز ہو جاتا ہے جو احساس کے ذریعہ سے اُس پر وارد ہوتی ہیں اور بطور تکلیف یا لذت کے اُسکے نفس پر اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ اُسکے احساس کا ان صورتوں کو قبول کرنا اُسکی تربیت کرنے والے کے ارادہ پر منحصر ہے۔ کیونکہ وہی اوسکو مختلف چیزیں کھلاتا اور طرح طرح کی باتیں سناتا اور رنگ برنگ کے ذائقے چکھاتا ہے اور وہی اُسکی معلومات کے دائرہ کو وسیع کرتا ہے۔ وہی اُسکے وجدان کے سامنے ایسے خیالات پیش کرتا ہے جو اُسکی حالت کے مناسب ہوتے ہیں۔ پس اگر بچے کے سامنے محسوسات کی صرف ایسی ہی چند صورتیں لائی جائیں گی جن سے بعید نتائج پیدا نہیں ہوتے، یا صرف ایسے ہی خیالات پیش کیے جائیں گے جن کے آثار جسمانی لذت سے قریب ترین اشیاء میں ظاہر ہوتے ہیں تو وہ وحشیوں اور پاگلوں اور ناسمجھ بچوں کی طرح نہایت متلون اور فوری خیال کے اشاروں پر چلنے والا ہوگا۔ لیکن

لیکن اگر اُس کی معلومات وسیع ہونگی اور اُسکے ذہن میں محسوسات کی ایسی بہت سی صورتیں جمع ہونگی جن سے قریب و بعید نتائج پیدا ہوتے ہیں اور اُسکا وجدان بھی نہایت لطیف اور نازک ہوگا تو بچے میں دوراندیشی اور انجام بینی کی خصلت مستحکم ہو جائیگی اور وہ حس اور شعور کے فوری انفعال سے جلد متاثر نہو سکیگا۔ اُسکی نشو و نما ایسی حالت میں ہوگی کہ اُسکے ہاتھوں میں اپنے تمام کاروبار اور حرکات و سکنات کے جانچنے کے لئے ایک صحیح ترازو ہوگی جس کے ذریعہ سے وہ اُنکو وزن کر سکیگا۔ اور بچپن ہی سے مفید کاموں کی طرف رغبت اور مضر باتوں سے نفرت اُسکی طبیعت میں راسخ ہو جائیگی۔

ہمارا یہہ منشا نہیں ہے کہ بچے ان صفات کے لحاظ سے صاحب رشد و تمیز مردوں کی برابر ہو سکینگے۔ نہیں بلکہ یہہ عقلی اور اخلاقی کمالات کے بیج ہیں جو رفتہ رفتہ نشو و نما پاکر ان اعلیٰ مقاصد تک پہونچا دیتے ہیں، جن کے حاصل کرنے کے واسطے وہ تمام اشخاص کوشش کرتے ہیں جو انسانیت کے معنی جانتے اور اخلاقی فضیلت کا رتبہ پہچانتے ہیں۔ پس عمدہ وراثت اور معقول تربیت کے بغیر عقل کی پوری اصلاح نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل علماء تمام اخلاقی کمزوریوں اور بدچلنیوں کو دماغی یا اعصابی امراض کی طرف منسوب کرتے ہیں خواہ وہ موروثی ہوں یا کسبی۔ اگر بعض موقعوں پر کوئی ایسی نظیر پیش کی جائے کہ بچہ بعض حالات کے لحاظ سے اپنے والدین کے مشابہ نہیں ہے تو اسکی یہہ وجہ ہوگی کہ قانونِ وراثت اُسکو اُسکے اسلاف میں کسی دوسرے شخص کی طرف رجوع کر دیتا ہے۔

پس اگر بچہ کی تربیت اُس طریقہ کے مطابق ہوگی جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے تو وہ ناقص استعداد جو اُسکو بطور وراثت کے اپنے اسلاف سے پہونچی ہے کمزور ہو جائیگی اور بجائے اُسکے ایک جدید استعداد اُس کی طبیعت میں راسخ ہو جائیگی جو اُسکی اولاد کی طرف منتقل

ھوتی رھیگی۔ اور اگر انکے خاندان میں وھی نظام تربیت جاری رھا جس کی بدولت اس نے استعداد حاصل کی ھے تو اس میں شک نہیں کہ اُسکا اثر نسلاً بعد نسل جاری رھیگا۔ لیکن اگر تربیت ناقص ھوگی اور وہ چیزیں جو بچہ کے سامنے لائی جاتی ھیں اگر اُسکی خواھشات کو برانگیختہ کرنیوالی اور اُسکے جذبات کو اکسانے والی ھونگی تو اُسکی طبیعت میں خباثت کی استعداد قوت پاکر مستحکم ھوجائیگی اور عمدہ استعداد رفتہ رفتہ مضمحل ھوکر فنا ھوجائیگی۔ اور اُسکی بدولت جو بدکاریاں اور بد اعمالیاں باپ سے سرزد ھوئی ھیں وھی اولاد سے سرزد ھوتی رھین گی۔

امام غزالیؒ نے تربیت کی نسبت ایک مختصر اور نہایت لطیف عبارت ذکر کی ھے، جسکو میں اس مقام پر درج کرنا مناسب سمجھتا ھون۔ وہ لکھتے ھیں کہ "بچہ اپنے ماں باپ کے پاس بطور امانت کے ھے اور اُسکا پاک صاف دل ایک نہایت نفیس اور پاکیزہ گوھر ھے جو ہر قسم کے نقش و نگار سے خالی ھے۔ اُس میں اس بات کی استعداد ھے کہ جس طرف تربیت کرنے والے چاہیں مایل ھوسکتا ھے۔ پس اگر اُس میں صلاحیت پیدا کی جاے اور اُسکو اچھی باتون کا عادی بنایا جاے اور مناسب طریقہ سے اُسکی تعلیم و تربیت کی جائے تو وہ دینی اور دنیوی سعادت اور بہبودی حاصل کریگا اور اُسکے ماں باپ اور تمام معلم اور ادیب صواب میں شریک ھونگے اور اگر وہ برائی کا خوگر کیا جائیگا اور بہایم کیطرح آوارگی کی حالت میں چھوڑ دیا جاے تو اُسکا دین و دنیا دونون برباد ہونگے اور اُسکا وبال اُن لوگوں کی گردن پر ھوگا جو اُسکے سرپرست اور اُسکی تعلیم و تربیت کی نگرانی کرنے والے تھے۔ خداوند تعالی فرماتا ھے "اے ایمان والو اپنی اور اپنے اہل عیال کی جانوں کو آگ سے بچاؤ"

تربیت صرف ایک بات پر منحصر ھے، اور وہ یہہ ھے کہ بچہ کو نیک کاموں کا خوگر بنایا جاوے اور اُس کے نفس کو صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ سے آراستہ کیا جاوے۔ اور اس کا ذریعہ

بھی صرف ایک ھی ھے، اور وہ یہہ ھے کہ بچہ اپنے گرد و پیش اسی قسم کے اخلاق و عادات کے آثار مشاہدہ کرے۔ کیونکہ تقلید کے ذریعہ سے جو بچہ ان کی طبیعت مین راسخ ہوتی ھے وہ تمام باتین حاصل ھو جائین گی جنکا جاننا ضروری ھے پس اگر ماں جاہل ھوگی تو وہ بچے کو اپنی حالت پر چھوڑ دیگی اور اُسکی چھوٹی سی عقل اور بڑی بڑی خواہشیں جدھر اُسکو لیجائینگی اسی طرف مایل ھو جائیگا چونکہ وہ اپنے گرد و پیش ایسے افعال و حرکات مشاہدہ کریگا جو کسیطرح اصول اخلاق پر منطبق نہین ھو سکتے اسلئے وہ قبیح عادتوں اور ناچیانہ خصلتوں کا خوگر ھو جائیگا۔

چونکہ اپنے گھر میں اور گھر سے باھر اخلاق و عادات کے بُرے نمونے اُسکی نظر سے گذرینگے اس لئے جسقدر اوسکی عمر بڑہتی جائیگی اُسیقدر یہہ قبیح اخلاق اُسکی طبیعت مین راسخ اور مستحکم ھوتے جائین گے۔ اور جب وہ سن تمیز کو پہنچکر اپنے آپ کو ایک بداخلاق آدمی دیکھے گا یا لوگ اُسکو ایسا خیال کرینگے تو اُسوقت اُن فاسد اخلاق و عادات کی اصلاح ناممکن ھوگی خواہ اُسکا ارادہ کیسا ھی قوی، اُسکا علم کتنا ھی وسیع، اور اُسکی عقل کیسی ھی روشن ھو۔ ایسی مثالیں بہت ھی شاذ و نادر ملینگی کہ انسان جوان ھونے کے بعد اپنے فاسد اخلاق و عادات کی اصلاح میں کامیاب ھوا ھو، مگر ایک خاص حد تک۔

یہہ بات سب کو معلوم ھے کہ بچہ اپنے بچپن سے لیکر سن تمیز تک عورتوں کی سوسیٹی میں رھتا ھے۔ اسکے گرد و پیش ہمیشہ اُسکی ماں بہنین پھوپیاں، خالائیں اور اونکی لونڈیاں اور سہیلیاں رھتی ھیں۔ وہ اپنے باپ کو بہت ھی کم دیکھتا ھے۔ پس اگر عورتوں کی وہ سوسیٹی جس میں اُسکی نشو و نما ھوئی ھے عمدہ ھوگی تو اُسکی تربیت بھی اچھی ھوگی، اگر سوسیٹی ناقص ھوگی تو اُسکی تربیت بھی ناقص ھوگی یہہ بات جاہل ماں کی استطاعت سے باھر ھے کہ وہ اپنے بچہ کو صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ سے آراستہ کر سکے۔ کیونکہ وہ اُن سے اور اونکی قدر و قیمت سے ناواقف ہے۔ اگر وہ

اوسکو قبیح خصلتوں اور نالایق عادتوں کا خود سبق نہ دیگی تاہم وہ صرف یہی کر سکتی ہے کہ اُسکو اپنی حالت پر چھوڑ دے کہ آوارہ لڑکوں میں اپنی تضیع اوقات کرتا اور قبیح عادتیں سیکھتا رہے۔

کیا یہ امر قوانین حفظ صحت سے ناواقف ہونے کے باعث سے نہیں ہے کہ ماں اپنے بچہ کی جسمانی صفائی کا خیال نہ رکھے اور اُس کے بدن پر میل کی تہیں چڑھتی چلی جائیں۔ اور اُسکو آوارہ چھوڑ دے کہ وہ شہر کی گلی کوچوں میں مارا مارا پھرے اور حیوانوں کے بچوں کی طرح خاک دھول میں لوٹتا رہے؟ کیا یہہ ماں کی جہالت کے باعث سے نہیں ہے کہ بچہ کی طبیعت میں کاہلی اور کام کرنے سے نفرت پیدا ہو جاوے اور وہ اپنا تمام وقت جو ایک گران قیمت راس المال ہے لیٹنے، سونے اور کھیل کود میں ضایع کرتا رہے۔ حالانکہ بچپن کا زمانہ نہایت چستی اور چالاکی، نشاط اور اُمنگ کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں بچوں کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ سستی اور کاہلی کیا چیز ہے، کیا یہہ ماؤں کی جہالت کا اثر نہیں کہ ہمارے اعصاب شل اور بالکل بے حس و حرکت ہو رہے ہیں، ہم برائی بھلائی سے خواہ وہ کیسی درجہ کی ہوں ہرگز متاثر نہیں ہوتے۔ اگر ہم کوئی مفید اور عمدہ کام دیکھتے ہیں تو محض زبان سے اُسکی تعریف کرتے ہیں اور اگر کوئی قبیح بات یا کوئی ناشایستہ حرکت مشاہدہ کرتے ہیں تو اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے لئے صرف سر ہلا دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ مگر ہمکو کوئی ایسی اندرونی تحریک محسوس نہیں ہوتی جو اول کی طرف راغب ہونے اور دوسرے سے بچنے پر مجبور کرے، کیا یہہ جہالت نہیں ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو تادیب کی غرض سے جن، بھوت اور ہوؤں اور للوؤں سے ڈراتی ہیں اور اُنکی حفاظت کے لئے تعویذ گنڈے اُنکے گلے میں ڈالتی اور قبروں اور خانقاہوں کے گرد طواف کراتی ہیں حالانکہ یہ ایسی باتیں ہیں کہ مذہب کے اصول سے جاہل اور فضائل اعمال سے ناواقف اشخاص بھی اُنکی پروا نہیں کرتے۔ اور ہماری قوم کے بچوں بلکہ مردوں پر اُنکا ایسا بُرا اثر پڑتا ہے جو اُن کو ہمیشہ

قسم کی بھلائی سے دور اور برائی سے قریب کرنیوالا ہوتا ہے؟

ہماری قوم میں یہہ امر مسلم ہوچکا ہے کہ ماؤں کو اپنی اولاد کی تربیت میں ہرگز کامیابی نہیں ہوتی حتی الکہ ادنی الطبع اور بدچلن آدمی کیلیئے بطور ضرب المثل کے بولا جاتا ہے کہ وہ عورت کا تربیت یافتہ ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یوروپین ممالک میں عورتوں کی تربیت مردوں کی تربیت کی نسبت بدرجہا بہتر اور فائق خیال کی جاتی ہے۔ وہاں اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ وہی لوگ سمجھے جاتے ہیں جن کی تربیت خوش قسمتی سے کسی عورت کے نگرانی میں ہوئی ہو۔ یہہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ عورت اپنی بعض طبعی خصائل کے باعث مرد سے ممتاز ہے۔ وہ مرد کی نسبت زیادہ صابر اور متحمل، اور معاملہ میں زیادہ نرم، اور احساس اور جذبات میں زیادہ لطیف اور نازک ہے اہل یورپ اُس تاثیر پر نازاں ہیں جو عورتوں نے اُن کی حالت پر ڈالی ہے۔ میں نے مشہور فلاسفر رونان کی کسی تصنیف میں دیکھا ہے کہ "میری تصنیفات میں جسقدر نفیس اور نازک مضامین لکھے گئے ہیں وہ میری بہن کے بتلائے ہوئے ہیں" مشہور مصنف فونس دودیہہ نے اپنی کسی کتاب میں لکھا ہے کہ "اگر میں کسی فخر کا مستحق ہوں تو اُسکا نصف میری بیوی کا حصہ ہے" اسکے علاوہ اور بیشمار نظیریں مل سکتی ہیں، جو لوگ اہل یورپ کی حالات سے واقف ہیں اُنکو معلوم ہیں۔ ان تمام نظیروں سے یہہ امر بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی تربیت ایک نہایت ضروری اور لابدی چیز ہے اور تربیت کا غالب حصہ عورت پر منحصر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایتوں میں بھی ایک نہایت مفید اور کارآمد ہدایت معلوم ہوئی ہے جو اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ بیشک وہ اس قابل ہے کہ ہمارے قومی معاملات میں ایک زبردست اصول سمجھا جائے۔ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان میں فرمایا ہے کہ "خذوا نصف دینکم عن ھذہ الحمیرا" ظاہر ہے کہ حضرت

عایشہ صدیقہ صاحب وحی و معجزہ تھیں، صرف یہی بات تھی کہ انہوں نے آپکی ھدایتوں کو سنا اور یاد رکھا تھا اور آپ کی خدمت میں تعلیم حاصل کی تھی۔

میں اس بات کو پسند کرتا ھوں کہ مصر کے تمام باشندے اس امر کا یقین کرلیں کہ تربیت کا مسئلہ ھمارے لئے تمام مسائل کی نسبت زیادہ ضروری اور اھم ھے اور باقی تمام مسائل خواہ وہ کیسے ھی ضروری اور اھم ھوں مسئلہ تربیت میں داخل ھیں۔

مصر کے باشندے بعض ایسے اخلاق و عادات کے ساتھ متصف ھیں جن کو انہوں نے تاریخی واقعات سے سیکھا ھے جنکا اس مقام پر ذکر کرنا مناسب نہیں معلوم ھوتا۔ یہہ اخلاق و عادات ایسے ھیں جنکو نہ مذھب سے کچھ تعلق ھے اور نہ عقلا ان کو پسند کرتے ہیں اور نہ وہ دوسرے اشخاص میں دیکھے جاتے ہیں۔

میں خیال کرتا ھوں کہ اب وہ وقت آگیا ھے کہ ھم اپنے نفوس کو واقعی اور علمی تربیت کے ساتھ آراستہ کریں، جس سے ھماری قوم میں ایسے جوانمرد صاحبِ علم اور اھل الرای پیدا ھوں جو ذی علم اور صاحبِ اخلاق حمیدہ ھونے کے علاوہ علم و عمل کے جامع ھوں۔ ھمکو ایسی تربیت کی ضرورت ھے جو ھم کو اُن تمام عیوب اور نقصانات سے پاک صاف کردے جو اجنبی قومیں ھمارے ذمہ لگاتی ھیں۔ یہہ تمام عیوب اگرچہ ناموں کے اعتبار سے مختلف ھیں لیکن اُن کا سبب صرف ایک ھی ھے اور وہ تربیت کا نقص ہے۔ مصر کے تمام علما اور اہل الرای نے اس بات پر اتفاق کیا ھے کہ اس وقت ھمارے موجودہ امراض کی اگر کوئی دوا ھے تو وہ تربیت ھے۔ اور یہی صائب رائے تمام کتابوں، اخباروں اور رسالوں میں، حتیٰ کہ پبلک اور پرائیویٹ جلسوں میں مشتہر ھوچکی ھے، جسکی نسبت یہ کہنا بالکل صحیح ھے کہ وہ مسلمانوں کی عام رائے ھوگئی ھے۔ اور اس سے یہہ خیال پیدا ھوگیا ھے کہ ھماری قوم کی آیندہ حالت تربیت پر منحصر ھے۔

مگر مین اپنی قوم کے بزرگون کو دیکھتا ھون کہ وہ تعلیم کی طرف تو نہایت سرگرمی کے
ساتھہ متوجہ ھو رہے ھین، مگر تربیت کی طرف کوئی شخص بھی التفات نہین کرتا۔ حالانکہ اخلاق کی
تہذیب تعلیم پر مقدم ہے اور لڑکیون کی تعلیم بہ نسبت لڑکوں کی تعلیم کے زیادہ ضروری ھے

مین اُن لوگوں مین نہیں ھوں جو لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم مین مساوات کے
خواستگار ھین میرے نزدیک یہ بالکل غیر ضروری ہے۔ مین بلاخوف تردید اس امر کا خواستگار
ھون کہ کم از کم ابتدائی تعلیم تک یہہ مساوات قایم رکھی جاوے۔ اور لڑکیون کی تعلیم کی طرف
بھی ایسی ھی سرگرمی کے ساتھہ توجہ کی جائے جیسی کہ لڑکوں کی تعلیم پر کی جاتی ہے

اس وقت جسقدر بعض لڑکیوں کو تعلیم دی جاتی ہے وہ میرے نزدیک کافی نہیں
ہے۔ کیونکہ ان کو عربی اور کسیقدر اجنبی زبان مین لکھنا پڑھنا اور کچھہ سینا پرونا اور کسیقدر
فن موسیقی سکھایا جاتا ہے مگر اُن علوم کی بالکل تعلیم نہیں دی جاتی جن سے تمدنی
فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ یہہ تعلیم جو بالفعل ان کو دی جاتی ہے بسا اوقات اُن کے
دماغ مین متکبرانہ خیالات پیدا کر دیتی ہے۔ ایک تعلیم یافتہ لیڈی جبکہ فرانسیسی زبان مین
بون ژور (Bon jour) یعنی گڈ مارننگ کہنا سیکھ جاتی ہے تو وہ خیال کرتی ھے کہ مین عقل و تجربہ
کے لحاظ سے اپنی ھمجولیون سے فایق ھو گئی ھون۔ اور اسکے بعد وہ اپنے خانگی
کاروبار مین مشغول ھونا کسر شان سمجھتی ہے۔ وہ اپنی زندگی ناولوں اور فسانوں کے مطالعہ
مین ضایع کرتی ہے، جن سے سوائے اسکے کچھہ بھی فائدہ نہیں ھوتا کہ اُسکے تخیل مین
ایک لطیف عالم کی تصویر کھینچ دیتے ھین جسکی وہ نہایت ذوق شوق سے سیر کرتی ھے
اور اثنائے مطالعہ مین سگار پیتی جاتی ہے۔

اسوقت جو عورتین تعلیم یافتہ کہلاتی ھیں وہ کسیقدر لکھنا پڑھنا جانتی ھین میرے
نزدیک صرف اسی قدر لکھنا پڑھنا سیکھ لینا تعلیم کی انتہا نہیں ہے بلکہ یہہ ذریعہ تعلیم

میں سے ایک ذریعہ ہے۔ باقی علوم جو اُنھوں نے حاصل کئے ہیں محض بیکار چیزیں ہیں جو ابتدائی عمر میں حافظہ میں مجتمع ہوگئی تھیں اور اسکے بعد رفتہ رفتہ وہ تمام معلومات اُنکے حافظہ سے نکل جاتی ہیں حتی کہ ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا علمی حقائق کے مقابلہ میں جو عقل کو قوت دیتے اور توہمات کے دفع کرنے میں اُس کو مدد پہونچاتے ہیں ان بیکار باتوں کی کیا حقیقت ہے۔ جو چیز عملی عقل کے نام سے موسوم کی جاتی ہے اُسکی برابر انسان کو کوئی چیز فائدہ نہیں پہونچا سکتی۔ عملی عقل سے میری مراد وہ قوت ہے جو تخیل کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے۔ صاحب تخیل ہمیشہ اپنے اوہام اور دور از کار خیالات میں منہمک رہتا ہے اور کسی وقت بھی حق کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ وہ تمام مصیبتیں جو انسان پر نازل ہوتی ہیں صرف خیال ہی کے دروازہ سے آتی ہیں۔ اور جب انسان ان اوہام اور خیالات سے آزاد ہوجاتا ہے تو وہ سعادت و فلاح سے قریب ہوجاتا ہے اور جسقدر وہ حقیقت سے دور ہوتا ہے اُسی قدر سعادت سے دور ہوتا ہے۔

حقیقت انسان کا ایک گم شدہ گوہر ہے جسکی تلاش اور جستجو میں بلا کسی قسم کی کوتاہی اور قصور کے کوشش کرنا چاہیئے۔ یہہ ایک لازوال خزانہ ہے جس میں خداوند تعالی نے انسان کی تمام اُمیدیں ودیعت رکھی ہیں، جو سوائے اُسکے کسی اور ذریعہ سے حاصل نہیں ہوسکتیں۔ حقیقت آفتاب سعادت و اقبال کا مطلع انوار ہے اور وہی صرف ایک ذریعہ ہے جس سے انسان اپنے عقلی اور ذاتی کمالات کے انتہائی مدارج پر پہونچ سکتا ہے حقایق اور عقل سلیم حاصل کرنے کی ضرورت کے لحاظ سے عورتیں بھی مردوں کے برابر ہیں جو اُن کی زندگی میں مفید کاموں کی طرف رہنمائی کرنے والی ہیں۔

تاہم بچوں کو دیکھو، اُن کی حالت پر غور کرو۔ تم کو معلوم ہوگا کہ وہ بھی خواہش اور تقریت،

محبت اور عداوت، رنج اور خوشی، کے آثار ظاہر کرتے ہیں، وہ بھی ہنستے اور روتے، مطمئن اور غضبناک ہوتے ہیں، مگر وہ ان تمام باتوں میں وہم سے متاثر اور خیال کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر کسی بچہ کو اُس کی خواہش سے روک دیا جاتا ہے تو وہ اُس کے حاصل کرنے کی غرض سے صرف مکر و فریب اور جھوٹ کا استعمال کرتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہہ ہے کہ اُسکی عقل کمزور اور اُس کی معلومات نہایت ہی محدود ہیں۔ اُس کی عقلی قوتیں اِس درجہ کو نہیں پہونچیں کہ وہ اپنی خواہشات اور تکلیفات کے درمیان مقابلہ اور موازنہ کر سکے، جو بعض اوقات اُس کو صبر کی طرف رہنمائی کرے اور کبھی اُس کی مرغوب چیز کے حاصل کرنے میں صحیح وسائل استعمال کرنے کی تعلیم دے۔ جاہل عورتیں بھی اِن تمام باتوں میں مثل بچوں کے ہیں۔

مردوں نے عورتوں کی طرف سے اپنا بھروسہ اور اعتبار بالکل اُٹھا لیا ہے اُن کا اعتقاد ہے کہ عورتیں شیطان کی لشکر ہیں جہاں کہیں دیکھو اُنکی عادتوں اور خصلتوں کی مذمت، ان کی عقلوں کی تنقیص کی جاتی ہے، اُن کی مکاری اور فریب بازی سے ڈرایا جاتا ہے میں ان ناپسندہ عادات سے عورتوں کو اس وقت بری کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ اس کا الزام عورتوں کے ذمہ نہیں، بلکہ مردوں کی گردن پر ہے۔

کیا ہم نے عورتوں کی حالت سُدھارنے اور اون کی اصلاح کرنے کے متعلق کچھ کیا ہے؟ شریعت اور عقل نے عورتوں کی تربیت اور اُس کے اخلاق کی تہذیب کا فرض جو ہمارے ذمہ ڈالا ہے کیا ہم نے اُس کو ادا کیا ہے؟ کیا یہ بات جائز ہے کہ ہماری عورتیں ایسی حالت میں چھوڑ دی جائیں جو بہائم کی حالت سے کسی طرح اچھی نہیں ہے؟ کیا یہ درست ہے کہ ہماری قوم کے نصف افراد جہالت کی سخت تاریکیوں میں مقید رکھے جائیں اور اپنے گرد و پیش کی چیزوں سے اُن کو بالکل واقفیت نہ ہو اور اُن کی ایسی

حالت ہو جیسی کہ قرآن مجید میں مذکور ہے "صم بکم عمی فھم لا یعقلون"؟ کیا اُن میں ہماری مائیں اور بہنیں، بیبیاں اور بیٹیاں نہیں جو ہماری دنیوی زندگی کی زیب و زینت ہیں۔ وہ ہمارے ایسے اجزا ہیں جن کا جدا کرنا ناممکن ہے کیا ہمارا خون اور گوشت پوست اُن کے خون اور گوشت سے بنا ہوا نہیں ہے؟ کیا مرد عورتوں کی اولاد اور عورتیں مردوں کی اولاد نہیں ہیں؟ کیا مرد درجہ کمال کو پہونچ سکتے ہیں جب کہ عورتیں ناقص رہیں؟ کیا مرد بغیر عورتوں کے سعادت حاصل کر سکتے ہیں؟۔

ہم اپنی عزیز قریب عورتوں کی محبت سے جو دنیا میں اعلیٰ ترین لذت ہے بالکل محروم ہیں۔

ہم میں سے ہر شخص اُس پر لطف ملاقات کی لذت سے واقف ہے، جبکہ دو سچے دوست نہایت محویت کے ساتھ آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ اُنکی روحیں ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہو جاتی ہیں اور اُن پر اسقدر محویت اور خود فراموشی طاری ہوتی ہے کہ وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اُنمیں سے کون شخص باتیں کر رہا ہے اور کون سن رہا ہے پس اگر کسی مرد اور اُس کی بہن یا ماں یا بیوی میں یہی توافق پایا جاوے تو اس میں شک نہیں کہ ملاقات کی خوشی دو چند سہ چند ہو سکتی ہے۔ مگر موجودہ حالت میں ہماری اور اُن کی عقلوں کے درمیان توافق نہیں ہے اسلئے ہم اُنکے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتے ہیں اور اُن کو معذور خیال کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے ساتھ ہماری محبت کامل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کامل محبت کے لئے توافق کا ہونا لازمی ہے، جو بالفعل معدوم ہے۔

ہر ایک انسان اس بات کا محتاج ہے کہ وہ کسی کا عاشق ہو یا معشوق ہو خداوند تعالیٰ نے اپنی مہربانی اور فضل سے انسان کے پہلو میں مائیں اور بیویاں پیدا کیں اور اُس کے

دل میں اُن کی محبت اور اون کے دلوں میں اُسکی محبت پیدا کی، جو خدا کی تمام نعمتوں اور احسانات میں سب سے بڑی نعمت اور اعلیٰ درجہ کا احسان ہے۔ کیونکہ یہ پاک صاف اور کامل محبت اگر اپنے اصلی مصرف میں لائی جائے تو وہ دنیا کے قید خانے میں ہمارے لئے باعث تسلی ہو سکتی ہے اور ان مصائب اور رنج والم کو آسان کر سکتی ہے جو بعض اوقات بڑے بڑے زبردست لوگوں کو ناامیدی اور مایوسی کے درجہ کو پہونچا دیتے ہیں پس ایسی گراں بہا نعمت کی پوری قدر نہ کرنا اور اُس کی نشوونما اور تکمیل سے غفلت کرنا بیشک کفرانِ نعمت ہے۔

ایک مشہور اعتراض باقی رہ گیا ہے جس کا جواب دینا نہایت ضروری ہے کیونکہ درحقیقت وہی ایک سبب ہے جس کو اکثر لوگوں نے اتفاق کر کے وضع کیا ہے اور عورتوں کی تعلیم و تربیت کا مانع ٹھہرایا ہے اور وہ اس بات کا خوف ہے کہ تعلیم سے عورتوں کی اخلاق فاسد ہو جاتے ہیں۔

اکثر مردوں کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی ہے کہ عورتوں میں تعلیم اور عفت کا جمع ہونا ناممکن ہے۔ گذشتہ زمانہ کے لوگوں نے اس کی تائید میں بے شمار اقوال، عجیب غریب حکایتیں، جھوٹے قصے اور بادرہوا فسانے نقل کئے ہیں، جن سے عورتوں کے ناقص العقل اور مکار ہونے پر استدلال کیا ہے۔ پس اگر ان کو تعلیم دی گئی تو ان میں مکروفریب کی قوت بے انتہا ترقی کر جائیگی اور وہ اپنی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے میں طرح طرح کے مکر اور عجیب وغریب حیلے ایجاد کر سکینگی۔ اچھا فرض کرو کہ ہم بھی اسکو تسلیم کرتے ہیں اور اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ تعلیم عورت کے مکروفریب کو اور زیادہ ترقی دے گی اور ایک جدید ہتیار اُسکے حوالہ کرے گی جسکی مدد سے اُس کی خبیث طبیعت کو اور زیادہ تقویت حاصل ہوگی۔

موجودہ حالت میں عورتوں کا ناقص العقل اور مکار ہونا بالکل بدیہی ہے جس سے کوئی شخص بھی اختلاف نہیں کر سکتا۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ یہ بھی جہالت اور اختلاط کا ایک اثر ہے جس میں عورتیں سالہا سال تک مبتلا رہی ہیں۔ ہم یہ بھی ظاہر کر چکے ہیں کہ جس وقت سبب زائل ہو جائیگا تو مسبب بھی اُس کے ساتھ ہی رخصت ہوگا۔ مگر ہم اس بات سے نہایت سختی کے ساتھ انکار کرتے ہیں کہ تعلیم عورتوں کے اخلاق کو فاسد کر دیتی ہے۔ کیونکہ تعلیم اور خاصکر جبکہ اخلاقی تعلیم کے ساتھ دی جائے تو وہ عورت کی عقل کو درجہ کمال پر پہونچانیوالی اور اُسکی وقعت اور اعتبار کو بڑھانے والی ہوگی، اور اس کو اس بات کی قابلیت عطا کرے گی کہ وہ اپنے تمام کار و بار کو غور و تامل اور دور اندیشی کے ساتھ انجام دے۔ اگر کبھی ایسا اتفاق ہوا ہے کہ کوئی پڑھی لکھی عورت سیدھے رستہ سے منحرف ہوگئی اور اپنے محبوب سے عاشقانہ خطوط کا سلسلہ جاری کیا تو اس امر سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہزاروں جاہل عورتیں اپنے خاندانی ننگ و ناموس کو برباد کر چکی ہیں اور انکی اور اُنکے عاشقوں کے درمیان میں کوئی خادمہ یا پڑوس کی بڑھیا دلالہ تھی۔

اصل یہہ ہے کہ دل کی پاکیزگی بالکل ایک طبعی امر ہے پس اگر عورت صالح اور پارسا ہوگی تو علم سے اُسکی صلاح و تقوی اور پارسائی مین ترقی ہوگی اور اگر وہ بدکار اور فاجرہ ہوگی تو علم سے اُسکو فسق و فجور مین کچھ اضافہ نہیں ہوگا۔ مردون کی حالت کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ کسی خاص قسم کی تعلیم سے چند لوگون کا گمراہ ہو جانا اس بات کی کافی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اس کو بالکل ترک کر دیا جائے۔ خداوند تعالی قرآن مجید کی شان میں فرماتا ہے کہ ”یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا۔ و ما یضل بہ الا الفاسقین“ یعنی ”خدا اُس سے بہتیروں کو گمراہ کرتا اور بہتیرون کو ہدایت دیتا ہے“ لیکن اُس سے بدکارون ہی کو گمراہ کرتا ہے۔ یہہ بات ناممکن ہے کہ تعلیم کا اثر محض نقصان ہی نقصان ہو اور نہ یہہ بات ممکن ہے کہ

وہ حقیقی طور پر کسی نقصان کا منشا ہو سکے - کیونکہ تعلیم یافتہ عورتیں جاہل عورتوں کی نسبت زیادہ
دور اندیش اور انجام کی سوچنے والی ہوتی ہیں اور وہ جاہل عورتوں کے برخلاف جو بیشتر خفیف
الحرکات اور چھچھوری ہوتی ہیں سہولت کے ساتھ ایسے قبیح حرکات کا اقدام نہیں کر سکتیں جو
اُن کی عزت اور نیک نامی کو بٹہ لگانے والی ہوں میں اپنے گذشتہ بیان کی تائید میں ایک
قابل لحاظ امر ذکر کرتا ہوں - وہ یہ ہے کہ یورپین لیڈیاں خواہ اُن کی اندرونی حالت کیسی
ہی ہو لیکن تاہم وہ بالعموم اپنی ظاہری حالت کی پوری حفاظت کرتی ہیں - ایک یورپین مرد
کسی اجنبی لیڈی اور اُسکے خاوند کے ساتھ ہفتوں اور مہینوں رہتا ہے اور اُنکے درمیان
کامل محبت ہوتی ہے مگر ممکن نہیں کہ اُن میں سے کسی شخص سے کوئی ایسی حرکت سرزد
ہو سکے جو اُنکے خفیہ تعلقات کو ظاہر کرنے والی ہو - تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ یورپین لیڈیاں
جب اپنے ضروری کاروبار یا ہوا خوری کیلئے بازاروں یا شاہراہوں میں نکلتی ہیں تو نگاہیں نیچی کئے
ہوئے نہایت اطمینان اور وقار کے ساتھ خراماں خراماں چلتی ہیں - اگر وہ مردوں کیطرف
نظر کرتی ہیں تو محض کن انکھیوں سے دیکھتی ہیں - مگر ہماری عفیف اور پارسا عورتوں کی
باطنی حالت اکثر ظاہری حالت کی نسبت اچھی ہوتی ہے - جب کوئی عورت گھر سے باہر
نکلتی ہے تو نہایت بدتمیزی کے ساتھ گردن موڑ کر دہنے بائیں دیکھتی چلتی ہے اور
اُسکو مطلق شعور نہیں ہوتا کہ اس قسم کی حرکتیں جو محض بے تمیزی کی وجہ سے سرزد
ہورہی ہیں اُس کی آبرو کو دھبہ لگانے والی اور اُس کی قدر و قیمت کو گھٹانیوالی ہیں -
ہمارے ملک کی عورتوں کی وہ جماعت جو ننگ و ناموس کو برباد اور عصمت و عفت کو خیرباد
کہکر شہوانی جذبات کی مطیع و منقاد ہو چکی ہیں، ان سے عام گذرگاہوں اور پبلک مجمعوں
میں ایسی نالایق اور خلاف تہذیب حرکات سرزد ہوتی ہیں جن کا بیان کرنے سے
قلم بھی شرماتا ہے - حالانکہ یورپین ممالک کی اس جماعت کی عورتیں بظاہر ایسی مہذب اور

شایستہ ہوتی ہیں جن کو عفیف اور پارسا عورتوں سے شناخت کرنا نہایت دشوار ہوتا ہے
اُن کی شناخت کرنے کے لئے صرف خاص خاص علامتیں مقرر ہیں جن کو صرف وہی
لوگ جانتے ہیں جو اوباشی کے فنون میں کمال رکھتے ہیں۔

سستی اور بیکاری جس سے ہماری عورتیں مالوف ہیں اور جو اُنکے لئے لازمہ
زندگی ہے میرے نزدیک تمام رذیل خصلتوں کی اصل اصول ہے جبکہ ہماری قوم کی عورتیں
نہ اپنے گھروں کے کاروبار انجام دیتی ہیں، اور نہ کسی قسم کی صنعت وحرفت اختیار کرتی ہیں،
نہ کوئی ہنر جانتی ہیں، نہ کوئی علمی مشغلہ رکھتی ہیں، نہ کسی کتاب کا مطالعہ کرتی ہیں اور نہ خدا
کی عبادت کرتی ہیں تو وہ کس کام میں اپنا وقت صرف کرتی ہیں؟ میں اس کا جواب عرض کرتا
ہوں اور غالباً میرے ناظرین بھی اس سے واقف ہونگے کہ ہماری قوم کے ادنیٰ واعلیٰ
امیروں اور غریبوں، جاہلوں اور عالموں کی عورتیں جس کام میں دن رات مشغول رہتی ہیں
وہ صرف ایک ہے جو بیشمار شاخوں پر منقسم ہوتا ہے اور جو ہر آن ایک نئی شکل اختیار کرتا
ہے اور جو عورت کی رضامندی یا ناراضی کا باعث ہوتا ہے۔ وہ کیا ہے؟ وہ زوجہ اور شوہر کا
باہمی تعلق ہے۔ کبھی وہ خیال کرتی ہے کہ شوہر مجھ سے نفرت رکھتا ہے کبھی گمان
کرتی ہے کہ وہ محبت رکھتا ہے۔ اور بعض اوقات اپنی ہمسایہ عورتوں کے خاوندوں کے
ساتھ اُسکا مقابلہ کرتی ہے اور اس سخت امتحان سے کامیابی یا ناکامی کی حالت میں نکلتی
ہے۔ کبھی اُس کی محبت والفت کا امتحان کرتی ہے کہ آیا بدستور باقی ہے یا اُس میں
تغیر واقع ہوگیا ہے۔ کبھی ایسی تدبیروں کے سوچنے میں مصروف رہتی ہے کہ شوہر کا
دل اپنے تمام عزیزوں اور قرابت داروں سے برگشتہ ہو جائے اور بجائے محبت کے
اُنکی طرف سے نفرت پیدا ہو جائے۔ مگر ساتھ ہی اسکے گھر کی خدمت گاریوں اور ماماؤں کے

ساتھ جس قسم کا وہ برتاؤ رکھتا ہے نہایت مستعدی اور ہوشیاری کے ساتھ اُس کی
نگرانی کرتی ہے۔ اور جب ملاقات کی غرض سے برادری یا پڑوس کی عورتیں گھر میں آتی ہیں تو
وہ ہر وقت اپنے شوہر کی نگاہوں کو تاڑتی رہتی ہے اور ہمیشہ اُسکی طرف سے مشتبہ
رہتی ہے۔ منجملہ اُن وسایل احتیاط کی جن کو عموماً بیویاں اپنے شوہروں کی نسبت استعمال
کرتی ہیں ایک یہہ ہے کہ جب کسی بیوی کو کوئی خادمہ یا ماما رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ
نہایت تلاش اور جستجو کے بعد ایسی بدصورت اور کریہ المنظر بدشکل ماما نوکر رکھتی ہے جس سے
اُسکو بالکل اطمینان ہوجائے کہ شوہر کا اُسکی طرف ہرگز میلان نہیں ہوسکتا۔ ان تفکرات
سے اُسکو صرف اُسی وقت آرام ملتا ہے جب کہ وہ اپنی ہم خیال اور رازدار عورتوں سے اُن کو
بیان کرلیتی ہے اور جب وہ اُن خطرات کو عبارات میں بیان کرچکتی ہے تو پھر خیالات میں اُنکی
تصویر کھینچتی ہے اور اسی طرح یہہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت وہ اپنی
ہمسایہ عورتوں یا سہیلیوں سے ملاقات کرتی ہے تو سردآہیں بھرتی جاتی ہے اور وہ تمام
معاملات جو اُس کے اور شوہر یا شوہر کے عزیزوں اور دوستوں کے درمیان ہوتے
ہیں بیان کرتی جاتی ہے اور اپنی خوشی اور رنج کی تمام داستانیں اور وہ تمام راز جو اُس کے
سینہ میں مخفی ہوتے ہیں پوست کندہ ظاہر کردیتی ہے

یہہ اُن عورتوں کا حال ہے جو اپنے شوہروں کے ساتھ محبت رکھتی ہیں۔ لیکن
وہ عورتیں جن کو شوہروں کے ساتھ محبت نہیں یا جن کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی ہے
اُن کی نسبت میں مکرر سوال کرتا ہوں کہ وہ کس کام میں مشغول رہتی ہیں؟ پہلی قسم کی عورتیں
ہمیشہ اس فکر میں مستغرق رہتی ہیں کہ موجودہ شوہر سے رہائی کی کوئی سبیل نکالیں اور کوئی
دوسرا شوہر تلاش کریں۔ اور دوسری قسم کی عورتیں جن کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی ہو وہ بھی

شوھر کی تلاش میں مصروف ھیں خواہ وہ کیسا ھی ھو۔ مگر وہ ایسے شخص کے انتخاب میں
جو واقعی طور پر شوھر ھونے کی قابلیت رکھتا ھو پانچ منٹ بھی ضایع کرنا نہیں گوارا کرتیں۔ بلکہ
وہ صرف مرد کی خواستگار ھوتی ھیں۔ یہہ امر ظاھر ھے کہ جس عورت کی حالت ایسی ھوگی
اگر اُس کے اخلاق فاسد ھونگے تو وہ بدکاری کے کسی موقع کو بھی ھاتھہ سے نہ دیگی اور نہ وہ
اُس شخص کے اخلاق و عادات سے بحث کرنے کی تکلیف گوارا کریگی جس کے سامنے
وہ اپنے نفس کو پیش کرنا چاھتی ھے۔

تعلیم یافتہ عورتوں کی ایسی حالت نہیں ھو سکتی بلکہ اُن کی حالت اس کے برعکس
ھوگی۔ اگر تقدیری اتفاقات سے کوئی تعلیم یافتہ عورت سیدھے رستہ سے بھٹک نکلی
اور بدکاری کی طرف مائل ھوگئی تو وہ سیکڑوں و ھزاروں میں سے ایسا شخص انتخاب کرے گی
جسکے اخلاق و عادات سے اُسکو پوری واقفیت ھو اور جس پر اوسکو پورا بھروسہ ھو تا ھم
وہ آسانی کے ساتھہ اپنے نفس کو اُسکے حوالہ نہ کریگی بلکہ حتی الوسع اس خیال کے دبانے
اور مغلوب کرنے میں کوشش کریگی اور ایک عرصہ کے بعد جس کی مقدار بحسب طبائع مختلف
ھوتی ھے اپنے نفس کو اُسکے حوالہ کرے گی۔ مگر ھر حالت میں وہ بظاھر اپنی عفت اور
پاکدامنی کی پوری حفاظت کرے گی۔ اور اپنے راز کو خاص الخاص شخصوں سے بھی محفوظ
رکھے گی۔

ان تمام امور میں جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ھوں اُن اخلاق و عادات پر دار و مدار ھے
جن کے مطابق عورت نے اپنی ابتدائی تربیت میں نشو و نما پائی ھے۔ پس اگر وہ اس بات کی
خوگر ھے کہ اپنا وقت مفید کتابوں کے مطالعے اور خانگی کاروبار میں صرف کرے اور اُس کی تربیت
ایسے خاندان میں ھوتی ھے جس میں کوشش اور استقلال، عفت اور پاکدامنی کے نمونے

اُس کی نظر سے گذرے ھیں اور ایسے خیالات سے جو ناقص اثر ڈالتے اور فاسد رغبتوں کو بھڑکاتے ھیں اُسکا دماغ پاک رھا ھے او نیز اُسکو اس بات کا عادی کیا گیا ھے کہ وہ اپنی جسمی قوتوں سے سالم عقل کی نگرانی میں کام لے سکتی ہے تو نہایت ھی شاذ و نادر اتفاق ھو سکتا ھے کہ وہ سیدھے رستہ سے گمراہ ھو جاوے اور اپنی نفسانی خواھشات کی مطیع و منقاد ھو کر روحانی تکلیف اور ندامت گوارا کرے۔

غرضکہ ھمارے نزدیک عورتوں کی عقلی اور اخلاقی قوتوں کی تربیت کرنا اُن کی حفاظت اور صیانت کا بہترین ذریعہ ھے۔ مگر جہالت کے ذریعہ سے کسی طرح حفاظت نہیں ھو سکتی بلکہ عقلی اور اخلاقی تربیت اس بات کا سب سے عمدہ ذریعہ ھے کہ ھماری قوم میں ایسی عورتیں پیدا ھوں جو اپنی عزت و شرف کی قدر و قیمت پہچانتی ھوں اور اُسکی حفاظت کا طریقہ جانتی ھوں جو لوگ اپنی عورتوں کی جہالت پر بھروسہ کرتے ھیں میرے نزدیک اُن کی مثال ایک اندھے کی مثال ہے جو دوسرے اندھے کو لئے جاتا ہے جن کا انجام بھی نظر آتا ھے کہ وہ بالضرور اس گڈھے میں گر پڑینگے جو راہ میں سب سے اول اون کو ملیگا۔

الحجاب

چار سال گذرے ھیں کہ میں نے فرانسیسی زبان میں ایک کتاب شایع کی تھی جسمیں ڈیوک ڈارکر کے خیالات کی تردید کی تھی اور اجمالی طور پر پردہ کے فضائل بیان کئے تھے۔ کتاب مذکور میں میں نے اس بات پر بحث نہیں کی تھی کہ پردہ کیا چیز ھے اور وہ کس حد تک رھنا چاہئے اب میں چاھتا ھوں کہ ان امور کو معرض بحث میں لاؤں۔

شاید بعض ناظرین یہ خیال کریں کہ میں پردہ کو بالکل اُٹھا دینا چاھتا ھوں، نہیں بلکہ

امر واقعی اسکے برخلاف ھے۔ کیونکہ میں ھمیشہ سے پردہ کی تائید کر رھا ھوں اور اُسکو ایک نہایت ضروری اخلاقی اصول خیال کرتا ھون جس پر قایم رھنا لابدی ھے۔ مگر میں یہہ چاھتا ھوں کہ وہ اسلامی شریعت کے اصول پر منطبق ھونا چاھئے۔ جو پردہ آج کل ھماری قوم میں جاری ھے وہ شرعی پردہ کے برخلاف ھے۔ چونکہ مسلمانوں کو عورتوں کے معاملات میں حد سے زیادہ احتیاط کرنے کا شوق ھے، اور وہ نہایت مبالغہ کے ساتھہ اُن احکام پر چلتے ھیں جن کو وہ فقہی احکام خیال کرتے ھیں، اس لیئے وہ شریعت کی حدود سے بہت آگے بڑہ گئے ھیں اور قومی منفعتوں کو انھوں نے سخت نقصان پھونچایا ھے۔

اس موضوع میں میری ذاتی رائے یہہ ھے کہ یوروپین قوموں نے عورتوں کی آزادی اور بے پردگی میں حد سے زیادہ غلو کیا ھے ایسی حالت میں عورتوں کا نفسانی خواھشات سے بچنا اور عفت اور پاکدامنی کے اصول پر قایم رھنا نہایت مشکل ھے، اور نہ اِس کو شرم و حیا کی خصلت جایز رکھتی ھے۔ اِسی طرح ھم نے بھی عورتوں کو پردہ میں رکھنے اور مردوں کی نظر وں سے اُنکو بچانے میں اسقدر مبالغہ کیا ھے کہ وہ اِن تمام عقلی اور اخلاقی کمالات سے محروم ھو گئی ھیں، جو قدرت نے بلحاظ انسانی فطرت کے اُن کی ذات میں ودیعت رکھے تھے۔ اِن دونوں افراط و تفریط کی حالتوں کے بین بین ایک متوسط حالت ھے جس کو ھم بیان کرین گے وہ شرعی پردہ ھے۔

مین خیال کرتا ھوں کہ وہ ناظرین جو عورتوں کی تربیت کی نسبت میری رایوں کو تسلیم کرتے چلے آئے ھیں، اس مرکز پر پھونچکر اپنی پوری قوت کے ساتھہ میرے مقابلہ پر آمادہ ھونگے، کیونکہ میں موجودہ پردہ کو اُس کے شرعی حدود پر واپس لانا چاھتا ھوں، اور اس مقابلہ میں اُن تمام اوھام سے مدد لیکر جو سالہا سال سے اُن کے ذھن میں مجتمع ھو رھے ھین

پردہ کی عادت کی جو اُن کی طبیعت میں مستحکم ہو رہی تائید کرینگے لیکن وہ کیسی ہی زبردست قوت کے ساتھ اُسکی تائید کریں اور اُسکی حفاظت میں کیسی ہی محنت اور کوشش صرف کریں تاہم وہ عادت زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہ سکتی۔

ایسی عمارت کی حفاظت میں دلیری اور استقلال کے ساتھہ کوشش کرنا کیا فائدہ پھونچا سکتا ہے، جس کی بربادی اور تباہی کے دن قریب آ لگے ہیں، جس کی بنیاد بوسیدہ اور کمزور ہو گئی ہے، جسکے در و دیوار کے جوڑ بند ڈھیلے ہو گئے ہیں، جسکے اضمحلال کی یہانتک نوبت پہونچ گئی ہو کہ ہر سال اُس کا ایک حصہ منہدم ہو جاتا ہے؟ کیا یہہ بات صحیح نہیں ہے کہ اِس وقت پردہ کی وہ سختی باقی نہیں رہی ہے جو بیس برس پیشتر تھی؟ کیا یہہ بات نہیں دیکھی جاتی کہ اکثر خاندانوں کی عورتیں اپنے ضروری کاروبار کے لئے گھروں کی چار دیواری سے باہر نکلنے لگی ہیں، اور مردوں کے ساتھہ بذات خود خرید و فروخت کا معاملہ کرتی ہیں اکثر عورتیں جب کہ مطلع صاف اور ہوا لطیف اور پاکیزہ ہوتی ہے سیر و تفریح اور ہواخوری کے لئے نکلنے لگی ہیں، اور نیز اپنے شوہروں کے ساتھہ دور دراز ملکوں میں سفر کرتی ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ یہہ عظیم الشان انقلاب اُن خاندانوں میں پیدا ہوا ہے جو عورتوں کے باہر نکلنے کے نہایت سختی کے ساتھہ مخالف تھے۔ اگر ہم عورتوں کی موجودہ حالت کو گذشتہ قریب زمانہ کی حالت کے ساتھہ مقابلہ کریں جب کہ عورت کے لئے اپنے شوہر کے گھر سے باہر نکلنا یا اُس کے قد کی درازی پر اجنبی مرد کی نظر پڑنا معیوب سمجھا جاتا تھا، اگر کوئی ضروری اور لابدی سفر پیش آتا تو عورتیں رات کو سفر کرتی تھیں تاکہ وہ اجنبی مردوں کی نگاہوں سے محفوظ رہیں، جب کہ مائیں اور بہنیں اور بیٹیاں مردوں کے ساتھہ ایک دسترخوان پر بیٹھکر کھانا کھانا معیوب خیال کرتی تھیں

تو بلا شک و شبہ ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہہ عادت خود بخود زوال پذیر ہو رہی ہے۔

جو لوگ قوموں کی تاریخ سے واقفیت رکھتے ہیں انکو معلوم ہے کہ پردہ عورت کی زندگی کا ایک تاریخی دور ہے۔ لاردس لفظ خمار (یعنی اوڑھنی) کے تحت میں لکھتا ہے کہ "یونانی عورتیں جب اپنے گھر سے باہر نکلتی تھیں تو اُسکا استعمال کرتی تھیں اور اُسکے ایک آنچل سے اپنا منہ چھپا لیتی تھیں"، آگے چل کر لکھتا ہے کہ "عیسائی مذہب نے عورتوں کو اُنکی اوڑھنی حوالہ کی اور جن جن ممالک میں وہ داخل ہوا اُس کی حفاظت کی۔ عیسائی عورتیں جبکہ شاہراہوں میں نکلتی تھیں یا جب وہ نماز پڑھتی تھیں تو اُس سے اپنا منہ چھپا لیتی تھیں۔ قرون متوسطہ اور خصوصاً نوین صدی میں بھی اوڑھنی کا استعمال جاری تھا۔ اوڑھنی عورت کے دونوں کندھوں کو محیط ہوتی تھی اور تقریباً زمین پر کھنچتی جاتی تھی۔ تیرھویں صدی تک یہی دستور برابر جاری رہا اسکے بعد رفتہ رفتہ اس میں تخفیف ہونی شروع ہوئی اور اُس حالت تک نوبت پہونچ گئی جو اسوقت موجود ہے یعنی ایک باریک اور مہین کپڑا گردن سے حفاظت کے واسطے منہ پر ڈال لیا جاتا ہے۔ مگر اوڑھنی کی یہہ رسم اسپین اور اُس کے امریکی مقبوضات میں تیرھوین صدی کے بعد بھی ایک عرصہ تک جاری رہی"۔

اس سے ناظرین کو غالباً معلوم ہوگا کہ اس وقت جو پردہ مسلمانوں میں جاری ہے وہ صرف اُنہیں کے ساتھ مخصوص نہیں اور نہ اُنکا ایجاد ہے بلکہ یہہ قدیم زمانے کی ایک مشہور و معروف رسم ہے جو تقریباً دنیا کی تمام قوموں میں جاری تھی پھر رفتہ رفتہ دنیا میں جسقدر تہذیب اور شائستگی پھیلتی گئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اُسی قدر یہہ رسم بھی زوال پذیر ہوتی گئی اس اہم مسئلہ پر ہم کو مذہبی اور تمدنی دونوں پہلوؤں سے بحث کرنا لازمی ہے۔

اول ہم مذہبی حیثیت سے اس پر بحث کرتے ہیں۔

اگر اسلامی شریعت میں ایسی قطعی نصوص موجود ہوتیں جن سے ہمارا موجودہ پردہ نکل سکتا، جو اسوقت بعض مسلمانوں میں جاری ہے تو ہم کو اس مسئلہ میں بحث کرنے سے اجتناب لازم ہوتا اور موجودہ پردہ خواہ کتنا ہی مضر ہوتا ہم ان قطعی نصوص کے برخلاف ایک حرف بھی لکھنا گوارا نہ کرتا کیونکہ احکام خداوندی کو بغیر کسی قسم کی بحث اور منافشہ کے تسلیم کرنا اور ان پر اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت میں ایک نص بھی ایسی موجود نہیں ہے جس سے ہمارا موجودہ پردہ نکل سکتا ہو بلکہ یہ ایک عادت ہے جو بعض اجنبی قوموں کے ساتھ میل جول کرنے سے ان پر مسلط ہو گئی ہے مسلمانوں نے اسکو پسند کیا اور نہایت سختی کے ساتھ اس پر عمل کرنے لگے اور پھر رفتہ رفتہ جس طرح اور تمام مضر عادتیں مذہبی پیرایہ اختیار کر کے مسلمانوں میں راسخ ہو گئی ہیں اسی طرح اس عادت کو بھی مذہبی لباس پہنا کر مذہب میں شامل کر لیا گیا، حالانکہ مذہب میں اس قسم کی عادات کی کچھ بھی اصل نہیں۔ اسلئے ہم کو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ہم اس مسئلہ میں بحث نہ کریں۔ بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں اسلامی شریعت کا حکم صاف صاف بیان کر دیں اور اس میں تغیر تبدل ہونے کی ضرورت کو ثابت کریں۔

قرآن مجید میں وارد ہوا ہے کہ "اے پیغمبر مسلمانوں سے کہو کہ

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم و یحفظوا فروجھم ذالک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون قل للمومنات یغضضن من ابصارھن	اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اس میں ان کی زیادہ صفائی ہے۔ جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں اللہ کو سب خبر ہے۔ اور اے پیغمبر مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھا

ویحفظن فروجهن ولا یبدین زینتهن الا ما ظهر منها ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن ولا یبدین زینتهن الا لبعولتهن او آباءهن او آباء بعولتهن او ابناءهن او ابناء بعولتهن او اخوانهن او بنی اخوانهن او بنی اخواتهن او نساءهن او ما ملکت ایمانهن او التابعین غیر اولی الاربة من الرجال او الطفل الذین لم یظهروا علی عورات النساء ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن

اور اپنی شرمگاھوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مقامات کو ظاھر نہ ھونے دیں مگر جو چارو ناچار کھلا رھتا ھے اور اپنے سینوں پر دوپٹوں کا بکل مارے رھیں اور اپنی زینت کے مقامات کو کسی پر ظاھر نہ ھونے دیں مگر اپنے شوھروں پر یا اپنے شوھروں کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنے میل جول کی عورتوں پر یا اپنے ھاتھ کے مال (یعنی لونڈی غلاموں) پر یا گھر کے لگے ھوئے ایسے خدمتیوں پر کہ مرد تو ھیں مگر عورتوں سے کچھ غرض و مطلب نہیں رکھتے (جیسے خواجہ سرا یا بڈھے پھوس) یا لڑکوں پر جو عورتوں کی پردے کی بات سے آگاہ نہیں ھیں اور چلنے میں اپنے پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ لوگوں کو اُنکے اندرونی زیور کی خبر ھو"

شریعت نے اس آیت میں عورتوں کو اجازت دی ھے کہ وہ اپنے بدن کے بعض اعضا اجنبی مرد کے سامنے ظاھر کر سکتی ھیں مگر اُس نے اُن اعضا کی تشریح اور تعین نہیں کی۔ علماء فرماتے ھیں کہ اُن اعضا کا سمجھنا اور اُنکی تعین کرنا جو اس آیت میں مستثنیٰ کئے گئے ھیں اُس عادت پر منحصر رکھا گیا ھے جو خطاب کے وقت جاری تھی، مگر

ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ وجہ اور کفین اُن اعضا میں داخل ہیں جو اس آیت میں مستثنیٰ کئے گئے ہیں۔ اور ذراعین اور قدمین وغیرہ دیگر اعضا کی نسبت اختلاف ہے۔

ابن عابدین نے لکھا ہے کہ "آزاد عورت کا تمام بدن عورت ہے حتیٰ کہ اُس کے سر کے بال بھی عورت ہیں، سوائے وجہ اور کفین اور قدمین کے معتبر مذہب کے مطابق۔ اور عورت کی آواز مذہب راجح کے مطابق اور اُس کے دونوں ہاتھ مذہب مرجوح کے مطابق۔ نوجوان عورت کو منہ کھولنے سے اس وجہ سے نہیں منع کیا جاتا کہ وہ عورت ہے بلکہ صرف فتنہ کے خوف سے منع کیا جاتا ہے، اور اسی وجہ سے مس کرنے کی ممانعت کی جاتی ہے اگرچہ شہوت سے امن ہو اسلئے کہ یہ نہایت نامناسب ہے، اور اسی لئے اُس کی وجہ سے مصاہرۃ کی حرمت ثابت ہوئی ہے جیسا کہ حرمت میں بیان کیا جائیگا۔ عورت اور نیز امرد کے منہ کی طرف شہوت کے ساتھ نظر کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اگر شہوت کا گماں ہو تو انکی طرف نظر کرنا حرام ہے۔ مگر بدون گمان شہوت کے مباح ہے اگرچہ وہ حسین اور جمیل ہوں۔"

کتاب الروض میں جو مذہب شافعی کی ایک مشہور کتاب ہے لکھا ہے کہ "جس وقت فتنہ کا خوف نہ ہو تو مرد کو عورت کے منہ اور دونوں ہتھیلیوں کی طرف نظر کرنا اور عورت کو مرد کے انہیں اعضا کی طرف نظر کرنا جائز ہے۔ اور نیز معاملہ کے وقت اور اُسکی طرف سے گواہی نقل کرنے کے وقت بھی عورت کا منہ دیکھ لینا جائز ہے، اور ادائے شہادت کے وقت اُس کو منہ کھولنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے"[*]

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں جو عثمان بن علی الزیلعی کی تصنیف ہے لکھا ہے کہ "آزاد عورت کا تمام بدن عورت ہے مگر وجہ اور کفین اور قدمین، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا

[*] کتاب الروض صفحہ ۳۲۹ جلد اول۔

ہے (ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا) اس آیت میں "زینت" سے محل زینت اور "ماظھر منھا" سے منہہ اور دونوں ہتھیلیاں مراد ہیں۔ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ اور مختصر میں تینوں اعضا مستثنے کئے گئے ہیں کیونکہ ان کے کھولنے کی عموماً ضرورت پیش آتی ہے اور نیز اس سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے والی عورت کو دستانے پہننے اور نقاب ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ پس اگر وجہ اور کفین عورت ہوتی تو سلے ہوئے کپڑے سے ان کا چھپانا ممنوع نہ ہوتا۔ قدمین کی نسبت دو روایتیں ہیں مگر اصح یہہ ہے کہ وہ عورت نہیں ہیں کیونکہ ان کو مجبوراً ظاہر کرنا پڑتا ہے[1]"

وجہ اور کفین کے نسبت یہہ حکم کہ وہ عورت نہیں ہیں حنابل اور موالک کے نزدیک بھی مشہور ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم ان دونوں مذہبوں کے علماء کے اقوال نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اسماء بنت ابی بکر الصدیق مہین اور باریک کپڑے پہنے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے اسماء جب لڑکی جوان ہو جائے تو مناسب نہیں ہے کہ (وجہ اور کفین کی طرف اشارہ کر کے) اسکے اور اسکے سوا اس کے بدن کا کوئی عضو کھلا رہے۔

نواب محمد صدیق حسن خان بہادر کی کتاب حسن الاسوۃ میں لکھا ہے کہ "عورت کو ان اعضا کے کھولنے کی اس وجہ سے اجازت دی گئی ہے کہ اس کو بہت سے کاروبار اپنے ہاتھوں سے انجام دینے پڑتے ہیں اور اکثر ضرورتوں میں خاص کر ادائے شہادت اور

[1] صفحہ ۳۳۶ جلد ا۔

محاکمہ اور نکاح کے وقت اُس کو منہ کھولنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور راستوں میں چلنے کے لئے قدموں کے ظاہر کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور بالخصوص مفلس اور نادار عورتیں"*

اسلامی شریعت نے جسقدر حقوق مردوں کو دیئے ہیں اُسی قدر عورتوں کو بھی عطا کئے ہیں اُنکو بھی اُسکے تمام اچھے اور برے کاموں کا ذمہ دار اور جوابدہ ٹھیرایا ہے اُنکو اختیار دیا ہے کہ وہ جسطرح چاہیں اپنے ملک میں تصرف کر سکتی ہیں، ہر قسم کی خرید و فروخت اور بیع و رہن کے معاملات انجام دے سکتی ہیں پس کس طرح ممکن ہے کہ عورت کی صورت دیکھنے اور اُس کو شناخت کرنے کے بغیر کوئی شخص اُسکے ساتھہ کسی قسم کا معاملہ کر سکے۔

عورت کی شناخت کے لئے ایک عجیب و غریب طریقہ استعمال کیا جاتا ہے کہ وہ سر سے پاؤں تک کپڑے لپیٹے ہوئے سامنے آتی ہے یا دروازہ میں یا پردہ کے پیچھے کھڑی ہو جاتی ہے اور مرد سے کہا جاتا ہے کہ یہہ فلاں عورت ہے جو تیرے ساتھہ اپنا گھر بیچنا چاہتی ہے یا نکاح کرنے کے لئے تجھکو اپنا وکیل مقرر کرنا چاہتی ہے، پس عورت اقرار کرتی ہے کہ میں نے اپنا گھر بیچ دیا یا وکیل مقرر کیا اور دو اجنبی یا رشتہ دار شخصوں کی شہادت سے اس امر کا کافی ثبوت سمجھا جاتا ہے کہ یہہ وہی عورت ہے جس نے اپنا گھر بیچا ہے یا وکیل مقرر کیا ہے حالانکہ بے شمار عدالتی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں دغا اور فریب کا استعمال کرنا نہایت آسانی کے ساتھہ ممکن ہے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ بارہا عورت کا نکاح بغیر اُس کے علم اور اجازت کے ہو گیا ہے، بغیر اُسکی اطلاع کے اُس کی جائداد اجارہ پر دی گئی ہے، بلکہ وہ بوجہ اپنی جہالت کے بارہا اپنی تمام جائداد اور املاک سے ہاتھہ دھو بیٹھی ہے۔ اور یہہ تمام خرابیاں اس

* صفحہ ۹۲-

وجہ سے پیدا ہوئیں ہیں کہ عورتوں کو پردہ میں ڈال کر اُنکے تمام کاروبار مردوں نے اپنے ہاتھوں میں لے لئے ہیں۔

پردہ نشین عورت سے کس طرح ممکن ہے کہ اپنی گذراوقات کے لئے کوئی پیشہ یا کسی قسم کی تجارت کر سکے (اگر وہ محتاج ہو)؟ پردہ نشین خادمہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ ایسے گھر کی خدمت کر سکے جس میں مرد بھی ہوں؟ کاشتکار عورت سے کیونکر ممکن ہے کہ وہ پردہ کی حالت میں اپنی کھیتی کے کاروبار کو انجام دے سکے؟

اس عالم کو خداوند تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اُس میں نوع انسان کو اس بات کی قدرت عطا فرمائی ہے کہ جہاں تک اُس کی قوتیں یاری دیں دنیا کی منفعتوں سے حصہ لے سکے اُس نے عالم میں تصرف کرنے کے لئے ایسی حدود جن سے تجاوز نہیں ہو سکتا قرار دی ہیں۔ ان حدود پر قایم رہنے اور حقوق سے فائدہ اُٹھانے میں عورتوں اور مردوں کو مساوات کا درجہ عطا فرمایا ہے۔ نہ اُس نے ان دونوں جنسوں میں دنیا کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کیا ہے اور نہ زمین کا ایک حصہ عورتوں کیلئے اور دوسرا مردوں کیلئے مخصوص کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے بالکل الگ رہ کر کاروبار کریں اور فائدہ اُٹھائیں۔ بلکہ بغیر کسی قسم کی امتیاز اور خصوصیت کے زندگی کے کاروبار کو دونوں جنسوں میں مشترک رکھا ہے تاکہ ہر شخص اپنی قوت اور استطاعت کے موافق فائدہ حاصل کر سکے۔ پس اگر عورتوں پر اُن کے چند محرموں کے سوا اجنبی مردوں کی نظر پڑنا حرام قرار دیا جاوے تو ایسی حالت میں کس طرح ممکن ہے کہ وہ اپنی زندگی اور حواس اور قویٰ سے وہ کام لے سکیں جن کے لئے وہ عطا کئے گئے ہیں، یا دنیا میں جو اُن کے اور مردوں کے درمیان مشترک رکھے گئے ہیں کاروبار انجام دے سکیں بے شک یہ ایک ایسی بات ہے جس کو نہ شریعت گوارا کرتی ہے اور نہ عقل اُسکو تسلیم

کر سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے اکثر طبقوں میں ضرورت نے
اس قسم کا پردہ باقی نہیں رکھا جیساکہ اکثر خدمت پیشہ یا محنت مزدوری کرنے والے اور متوسط
طبقہ کے دیہات کی رہنے والی بلکہ بعض اعلیٰ طبقہ کی عورتوں میں دیکھا جاتا ہے۔ حالانکہ
یہ سب مسلمان ہیں بلکہ وہ شہریوں کی نسبت مذہبی عقائد پر زیادہ سختی کے ساتھ
ثابت قدم ہوتی ہیں۔

جب کوئی عورت بحیثیت فریق مقدمہ یا بطور گواہ کے عدالت میں پیش ہوتی ہے
تو اس کو اپنا مُنہہ چھپانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ سالہاسال گذر چکے ہیں کہ مقدمات
لڑانے والے بلکہ خود جج بھی اس اہم مسئلہ کی ضروریات سے غافل ہیں، اس مسئلہ میں
جو بات لازم اور واجب ہے اُس کی طرف سے وہ تساہل کرتے ہیں کیونکہ اُنہوں نے
محض رسم و رواج کو تسلیم کرکے اپنی عدالتوں میں اس بات کی اجازت دے رکھی ہے کہ عورتیں
خواہ وہ بحیثیت مدعی یا مدعا علیہ خواہ بطور گواہ کے پیش ہوں اُن کو اپنا مُنہہ چھپا لینے کا اختیار
ہے حالانکہ اس میں سراسر نقصان ہے۔ کیونکہ بغیر مُنہہ کھولنے کے کسی عورت کی پوری طرح
شناخت نہیں ہو سکتی اور ایسی حالت میں نہایت آسانی کے ساتھ فریب اور جعل سازی
ممکن ہے۔ ہر ایک مرد جب کسی عورت کے مقابلہ میں بطور مدعی یا مدعا علیہ کے کسی عدالت
میں پیش ہوتا ہے تو اُسکو اس امر کی نہایت ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے فریق مخالف
کو اچھی طرح پہچانے۔ اس میں اُسکو بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں منجملہ اُنکے
ایک فائدہ یہہ ہے کہ وہ صحت کے ساتھ اُس کے قول سے استدلال کر سکتا
ہے۔ میں ہرگز نہیں خیال کر سکتا کہ جج کو کسی مُنہہ چھپانے والی عورت کے حق میں ڈگری
یا ڈسمس کرنا یا اُسکی شہادت کی سماعت کرنا مناسب ہے۔ بلکہ میرے نزدیک جج کو اُسکا

منھہ دیکھنا نہایت ضروری اور لازمی بات ھے اور خاصکر فوجداری کے مقدمات ہیں۔ اگر یہہ نہیں ھے تو لوگون کا نام اور ولدیت اور سکونت اور پیشہ اور عمر پوچھنے سے کیا فائدہ حاصل ھو سکتا ھے، جسکو شریعت اور قانون نے لازمی قرار دیا ھے۔ اگر شخص بذات خود مجہول ھو تو ان امور کی واقفیت کیا فائدہ پھونچا سکتی ھے۔

شریعت نے عورت کو ادائے شہادت کے وقت منھہ کھولنے پر مجبور کیا ھے اس میں یہہ حکمت ملحوظ رکھی گئی ھے کہ جو علامات اس کے چہرہ پر ظاھر ھوں قاضی انکو دیکھہ سکے اور اسکی حرکات و سکنات پر غور کر سکے اور ان تمام امور کو پیش نظر رکھکر صحت کے ساتھہ شہادت کی جانچ کر سکے۔

اس میں شک نہیں کہ پردہ کے وہ تمام نقصانات جو ھم نے بیان کئے ھیں وہ اسلامی شریعت کی اس حکمت میں مندرج ھیں کہ اُس نے عورتوں کے لئے منھہ اور دونوں ہاتھوں کا کھولنا مباح قرار دیا ھے اور ھم اس سے زیادہ اور کچھہ نہیں چاھتے

تمام مذاھب کے ائمہ نے اس امر پر اتفاق کیا ھے کہ منگنی کرنیوالے کے لئے اُس عورت کا دیکھہ لینا جائز ھے جس کے ساتھہ وہ شادی کرنا چاھتا ھے، بلکہ اُسکو ایک امر مستحب اور مستحسن قرار دیا ھے۔ اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ھے کہ آپ نے ایک انصاری سے جو ایک عورت سے منگنی کرنا چاھتا تھا فرمایا کہ "تو نے اُسکو دیکھہ بھی لیا ھے"؟ اُسنے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اُسکو دیکھہ لے کیونکہ اس سے تمہارے رشتۂ محبت والفت کو استحکام ھوگا۔

غرضکہ قرآن مجید کی آیتوں اور احادیث کی روایتوں اور فقہاء کے اقوال سے نہایت وضاحت کے ساتھہ ثابت ھوتا ھے کہ خداوند تعالیٰ نے عورتوں کے لئے

منہہ اور دونوں ہاتھوں کا کھولنا مباح قرار دیا ہے، اور اس میں جو حکمتیں ہیں اُن کا دریافت کر لینا ہر ایک عقل مند شخص کو کچھ بھی مشکل نہیں۔

اسلامی شریعت کا یہہ حکم بالکل آسانی پر مبنی ہے، اس میں کچھہ بھی دشواری نہیں ہے نہ عورتوں پر اور نہ مردوں پر۔ اور نہ یہ حکم دونوں فریقوں کے درمیان کوئی حجاب حائل کرتا ہے جس کی وجہ سے معاملات میں کسی قسم کا ہرج واقع ہو یا شرعی فرائض کے ادا کرنے اور کاروبار زندگی کے انجام دینے میں کوئی تکلیف ہو۔

بعض لوگ دعوی کرتے ہیں کہ عورتوں کے لئے منہہ چھپانا ادب میں داخل ہے مگر میرے نزدیک یہہ دعوی بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اسکی تائید میں کوئی دلیل نہیں بیان کی جا سکتی۔ منہہ کے چھپانے اور کھولنے کو ادب کے ساتھہ کیا تعلق ہے؟ اور کس اصول کے مطابق عورتوں اور مردوں کے درمیان یہہ فرق قایم کیا گیا ہے؟ فی الحقیقت ادب عورتوں اور مردوں کے لئے ایک ہے خواہ وہ عورتوں کی طرف منسوب کیا جائے یا مردوں کی طرف اُس میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔

عورتوں کے منہہ چھپانے کی تائید میں جسقدر مضامیں لکھے جاتے ہیں تقریباً اُن کی ہر ہر سطر میں فتنہ کا خوف بڑی آب و تاب کے ساتھہ دکھلایا جاتا ہے۔ مگر یہ ایک ایسی بات ہے جو صرف اُن مردوں کے دلوں سے تعلق رکھتی ہے جن کو مفتوں ہو جانے کا خوف ہے۔ نہ اُس کی ذمہ داری عورتوں کی طرف عائد ہو سکتی ہے اور نہ وہ اس خوف سے گھروں کی چار دیواری میں مقید کی جا سکتی ہیں۔ ہاں جن مردوں یا عورتوں کو فتنہ کا خوف ہو اُن کو چاہئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ قرآن مجید کی آیت میں نگاہیں نیچی کرنے کا جو حکم وارد ہوا ہے وہ عورتوں اور مردوں دونوں فریقوں کو یکساں طور پر

حکم دیا گیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کی نسبت عورتوں کو اپنا منہ چھپانا کچھ زیادہ ضروری نہیں ہے۔

کیسے تعجب کی بات ہے کہ مردوں کو برقع پہننے اور عورتوں سے اپنا منہہ چھپانے کا حکم نہیں دیا گیا جبکہ ان پر عورتوں کے مفتوں ہو جانے کا خوف ہو۔ کیا مردوں کا عزم اور استقلال عورتوں کی نسبت کمزور سمجھا گیا ہے؟ کیا مرد اپنی نفسانی خواہشات کے روکنے اور جذبات کے دبانے میں ضعیف سمجھے گئے ہیں؟ اور ان تمام امور میں عورتیں قوی خیال کی گئی ہیں؟ اسلئے کہ مردوں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ خواہ کتنے ہی حسین اور جمیل ہوں عورتوں کے سامنے اپنا منہہ کھول سکتے ہیں، مگر عورتوں کو مردوں کے روبرو اپنا منہہ کھولنے کی قطعی ممانعت کی گئی ہے تاکہ کسی عورت کو دیکھکر خواہ وہ کیسی ہی بدصورت اور کریہہ المنظر ہو نفسانی خواہشات کی باگ عقل کے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے اور مرد اُس پر فریفتہ نہ ہو جائے۔ اگر کوئی شخص اس کو صحیح سمجھتا ہے تو یہہ ہمارے نزدیک اس امر کا اعتراف ہے کہ مردوں کی نسبت عورتوں کی استعداد زیادہ اکمل ہے۔ پس اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ مردوں کی قیدیں کیوں رکھی گئی ہیں؟

علاوہ ازیں برقع اور نقاب جس کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے اُس سے زیادہ تر فتنہ کا خوف ہے۔ کیونکہ یہہ سفید اور باریک نقاب جو عیوب کو چھپاتا اور حسن وجمال کی خوبیوں کو ظاہر کرتا ہے اور برقع جس میں سے چمکتی ہوئی پیشانی اور رسیلی آنکھیں اور لطیف رخسارے خمدار ابروں اور عنبریں زلفین ظاہر ہوتی ہیں، درحقیقت یہہ دونوں چیزیں بطور زیب وزینت کے استعمال کی جاتی ہیں، جو دیکھنے والے کی رغبتوں کو بھڑکاتی اور اُس کے جذبات کو اُکساتی ہیں۔ اگر عورت بالکل کھلے منہہ ہوتی تو اُس کی

مجموعی ھیئت پر غالباً اس حیثیت سے نظریں پڑتیں۔

عورت کے وہ اعضا جو ظاہر ھوتے ھیں باعث فتنہ نہیں ھیں بلکہ فتنہ کے نہایت اھم اسباب وہ حرکات و سکنات ھیں جو عورت کی قیامت خیز رفتاریں ظاھر ھوتی ھیں اور جو اُس کی اندرونی خواھشوں کی طرف رھبری کرتی ھیں۔ ان حرکتوں کا باعث جو اُس سے اثناے رفتاریں سرزد ھوتی ھیں زیادہ تر برقع اور نقاب ہے جسکی وجہ سے وہ شناخت نہیں ھو سکتی کہ فلاں شخص کی لڑکی یا فلاں شخص کی بیوی ھے۔ پس وہ برقع کی آڑ میں جو حرکتیں چاھتی ھے کرتی ھے۔ لیکن اگر اُس کا مُنھہ کھلا ھوا ھوتا تو اُس کو ضرور اپنے ماں باپ اور اپنے خاندان کی عزت کا پاس ھوتا اور شرم و حیا اُس کی دامنگیر ھوتی اور اُس سے ایسی بیہودہ حرکات سرزد نہوتیں جن سے یہہ گماں کیا جاے کہ وہ مردوں کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاھتی ھے۔

حق بات یہہ ھے کہ برقع اور نقاب کا استعمال کرنا کوئی اسلامی رسم نہیں ہے مذھب اسلام نے نہ عبادت کے لیئے اس کے استعمال کا حکم دیا ھے اور نہ اخلاقی طور پر اُس کو ضروری قرار دیا ھے۔ بلکہ یہہ ایک قدیم زمانہ کی رسم ھے جو اسلام سے پیشتر جاری تھی اور اُس کے بعد تک جاری رھی۔ اسکی تائید میں بیان کیا جا سکتا ھے کہ اکثر اسلامی ممالک میں اس عادت کا وجود بھی نہیں پایا جاتا، اور اکثر مشرقی قوموں میں جو مذھب اسلام کی پیرو نہیں ھیں اس کا استعمال جاری ھے۔

اصل یہہ ھے کہ مذھب اسلام میں امر مشروع صرف یہہ ھے کہ "عورتیں اپنے سینوں پر چادروں کے بکل مارے رھیں"، جیسا کہ قرآن مجید کی آیت میں صراحت کے ساتھہ مذکور ھے اور اُس کو برقع اور نقاب سے کچھہ بھی تعلق نہیں۔

عورتوں کے منہہ اور ہاتھوں کے کھولنے کے متعلق جو بحثیں تھیں اُن کو ہم طے کر چکے ھیں مگر پردہ کی وہ بحث جس سے یہہ مطلب ھے کہ عورت اپنے گھر کی چار دیواری میں مقید رکھی جائے اور مردوں کے ساتھہ میل جول سے اُس کو روک دیا جائے اسکی نسبت گفتگو دو حصوں پر منقسم ھے - پہلی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے تعلق رکھتی ھے اور دوسری قسم عام مسلمانوں کی عورتوں سے متعلق ھے -

پہلی قسم کی نسبت قرآن مجید کی حسب ذیل آیتین وارد ھوئی ھیں -

"یا ایہا الذین امنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم واذا سالتموھن متاعا فاسالوھن من وراء حجاب ذلکم اطہر لقلوبکم وقلوبھن وما کان لکم ان توذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا ان ذلکم کان عند اللہ عظیما"

"مسلمانو! پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہہ کہ تم کو آنے کی اجازت دی جائے - اور جب پیغمبر کی بیبیوں سے تمہیں کوئی چیز مانگنی ھو تو پردہ کی باھر کھڑے رھکر اُن کی مانگو اس سے تمہارے دل اُن کی طرف سے خوب پاک صاف رھیں گے اور اسی طرح اُنکے دل بھی - اور تم کو کسی طرح شایان نہیں کہ رسول خدا کو ایذا دو اور نہ یہ بات شایاں ھے کہ اُنکے بعد کبھی اُن کی بی بیوں سے نکاح کرو خدا کے نزدیک یہہ بڑی بیجا بات ھے"

"یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا وقرن فی بیوتکن"

"پیغمبر کی بی بیو! تم کچھہ عام عورتوں کی طرح تو ھو نہیں پس اگر تم کو پرہیزگاری منظور ھے تو دبی زبان سے کسی کے ساتھہ بات نہ کیا کرو ایسا کرو گی تو جس کے دل میں کسی طرح کا کھوٹ ھے وہ خدا جانے تم سے کس طرح کی توقعات پیدا کر لیگا پس بات بھی کرو تو بے لاگ لپیٹ جیسا کہ پاک صاف

ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ"	لوگوں کا دستور ہے اور اپنے گھروں میں ہی بیٹھی رہو اور اگلے زمانہ جاہلیت کے سے بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو"

ہر ایک مذہب کے فقہ کی کتابوں اور نیز تفسیر کی کتابوں میں یہہ امر بالاتفاق بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ بالا آیتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ساتھہ مخصوص ہیں۔ ان کو خداوند تعالیٰ نے پردہ میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے اور ہمارے لئے اس کا سبب بیان کر دیا ہے کہ وہ عام عورتوں جیسی نہیں ہیں۔ چونکہ یہہ خطاب خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو ہے اور اُس کی شانِ نزول بھی خاص ہے" اسلئے وہ حکم عام عورتوں پر منطبق نہیں ہو سکتا۔ پس وہ پردہ جو اُمہات المومنین پر فرض کیا گیا ہے وہ کسی مسلمان عورت پر فرض یا واجب نہیں ہو سکتا*

دوسری قسم کے متعلق فقہ کی کتابوں میں صرف ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس میں اجنبی مرد کے ساتھہ خلوت کو منع فرمایا ہے۔ حدیث مذکور کے الفاظ یہہ ہیں کہ "محرم شخص کے موجود ہونے کے بغیر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھہ خلوت نہ کرے" ابن عابدین نے لکھا ہے کہ "اجنبی عورت کے ساتھہ خلوت کرنا حرام ہے مگر جبکہ کوئی مدیون عورت بھاگ جاوے اور کسی ویرانہ میں چھپ جاوے یا وہ بڑھیا اور کریہ المنظر ہو یا کوئی چیز درمیان میں حائل ہو۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اجنبی عورت کے ساتھہ خلوت کروہ تحریمی ہے۔ امام ابویوسف سے نقل کیا گیا ہے کہ حرام نہیں ہے" ۵۱

اور نیز لکھا ہے کہ "اگر کوئی چیز حائل ہو یا کوئی محرم مرد یا ثقہ عورت موجود ہو تو خلوت کی

---

* حسن الاسوۃ صفحہ ۱۲۶۔

۵۱ ۳۳۰ جلد پنجم۔

حرمت باقی نہیں رہتی۔ مگر کسی غیر محرم مرد کے موجود ہونے سے بھی حرمت باقی نہیں رہتی
میری نظر سے نہیں گذرا۔"

شاید کسی وقت یہہ استدلال کیا جائے کہ خداوند تعالی نے ازواج مطہرات
پر جو پردہ فرض کیا ہے اُس کا اتباع تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ اس کے جواب
میں ہم کہتے ہیں کہ "لستن کاحد من النساء" سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے
کہ اس حکم میں مساوات مطلوب نہیں۔ ہے۔ اور نیز یہہ بات بھی معلوم ہوتی ہے
کہ اس پردہ کے واجب نہ ہونے میں ایسی حکمتیں ہیں جن کی عزت اور وقعت
کرنا ہمارا فرض ہے اور محض نظر کی تقلید کر کے اُن پسندیدہ حکمتوں کو معطل کر دینا
ہرگز مناسب نہیں ہے جس طرح تخفیف اور آسانی کے دائرہ کو وسیع کرنا شایاں
نہیں ہے اسی طرح تنگی اور سختی کو بڑھانا یا زندگی کی کسی مصلحت کو معطل کر دینا مناسب
نہیں ہے۔

اس بارہ میں قرآن مجید کی بہت سی آیتیں وارد ہوئی ہیں۔ خداوند تعالی

"یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر"	فرماتا ہے کہ "الله تمہارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی نہیں کرنی چاہتا۔
"وما جعل علیکم فی الدین من حرج"	دین کے بارہ میں تم پر کسی طرح کی سختی نہیں کی
"یا ایها الذین امنوا لا تسألوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم"	مسلمانو!! بہت باتیں کرید کرید کر نہ پوچھا کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو بُری لگیں۔

ایسی حالتوں میں اگر نظیر کی پیروی مطلوب ہوتی تو ایک نہایت سخت متقی اور پرھیزگار و تبع سنت خلیفہ اپنے خانداں میں پردہ کے برخلاف رواج قائم نہ کرتے میں اسکی تائید میں صرف ایک تاریخی واقعہ نقل کرتا ھوں۔

"سلمہ بن قیس نے اپنی قوم کے ایک شخص کو ایک واقعہ جنگ کی اطلاع دینے کی غرض سے امیر المومنین عمر بن الخطاب کی خدمت میں بھیجا۔ وہ بیان کرتا ھے کہ جب میں اُن کے دروازہ پر پہونچا تو میں نے اندر آنے کی اجازت چاہی اور سلام کیا۔ اور جب مجھکو اجازت دی گئی اور مکان کے اندر داخل ھوا تو میں نے دیکھا کہ امیر المومنین عمرؓ ٹاٹ کے فرش پر دو چمڑے کے تکیوں سے جن کے اندر کھجور کا لیف بھرا ھوا تھا سہارا لگائے بیٹھے ھیں، چنانچہ اُنھوں نے ایک تکیہ میری طرف پھینکدیا اور میں اُس پر بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ چبوترہ پر ایک برآمدہ ھے اور اُس میں ایک مکان ھے جس میں پردہ پڑا ھوا ھے۔ عمر نے فرمایا کہ "ام کلثوم! کھانا لاؤ" اُنھوں نے ایک روٹی جو روغن زیتون میں چپڑی ھوئی تھی اور اُس پر بغیر پسا ھوا نمک رکھا ھوا ھے پردہ کے باھر سرکادی۔ آپ نے فرمایا کہ "ام کلثوم! کیا تم ہمارے ساتھ کھانے کے لئے باھر نہیں آتیں؟" اُنھوں نے کہا کہ مجھے تمہارے پاس کسی مرد کی آمد معلوم ھوتی ھے۔ آپ نے فرمایا کہ ھاں، اور غالباً وہ اس شہر کا باشندہ بھی نہیں ھے۔ اُنھوں نے کہا کہ "اگر آپ کا یہ منشا ھوتا کہ میں مردوں میں آؤں تو آپ مجھکو ایسا ھی لباس پہناتے جیسا کہ جعفر اور زبیر اور طلحہ نے اپنی بیبیوں کو پہنایا ھے"۔ آپ نے فرمایا "کیا تم کو یہ فخر کافی نہیں ھے کہ تم علی بن ابی طالب کی بیٹی اور امیر المومنین عمر کی بیوی کہلاتی ھو۔" پھر آپ نے (مہمان سے مخاطب ھوکر) فرمایا کہ کھاؤ اگر یہ راضی ھوتی تو تم کو اس سے بھی عمدہ

کھاتا کھلاتی ہے۔

علاوہ اسکے کہ یہہ پردہ شریعت نے واجب نہیں کیا، اس میں کسی قسم کا فائدہ بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس میں مختلف قسم کی بے شمار مضرتیں ہیں جن کو ہم اس مبحث میں بیان کرنا چاہتے ہیں۔

ہماری خواہش یہہ ہے کہ موجودہ پردہ جو حد شرعی سے بہت آگے بڑھا ہوا ہے اس میں تخفیف کی جاے، اور اسلامی شریعت کے احکام پر اس کو منطبق کیا جائے اسکی یہہ وجہ نہیں ہے کہ ہم مغربی قوموں کی انکے تمام رسم و رواج، اخلاق و عادات میں تقلید کرنا پسند کرتے ہیں، یا ہم ایک نئی بات پر صرف اس وجہ سے کہ وہ نئی ہے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ہم اسلامی اخلاق و عادات کی عزت و وقعت اور اُن کا احترام کرتے، اور اُن کو اپنی قوم کا مزاج سمجھتے ہیں، جس نے اُس کی مختلف افراد کو اتحاد اور یک جہتی کے سلسلہ میں مسلسل کر رکھا ہے۔ اس بارہ میں ہماری راے اُن لوگوں کے برخلاف ہے جو ان اخلاق و عادات کو بطور لباس کے سمجھتے ہیں جو روزانہ اُتار دیا جاتا اور دوسرا پہن لیا جاتا ہے۔ بلکہ ہماری یہ خواہش صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ پردہ کے شرعی حدود پر واپس لانے کو ہماری خانگی زندگی میں بہت بڑا دخل ہے ہم صرف اپنے مذاق کی موافقت اور مخالفت کی وجہ سے کسی چیز کو مستحسن یا قبیح نہیں خیال کرتے۔ بلکہ ہم اُس اہم مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں جس پر عورت کی زندگی بلکہ ہماری قوم کی زندگی کا انحصار ہے۔

اب ہم اس امر کی نسبت بحث کرتے ہیں کہ آیا ہمکو دنیا میں زندہ رہنا ہے یا فنا

* تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۲۷۱۶۔

هو جاتا اور صفحہ ہستی سے مٹ جاتا؟ کیا ہمکو مناسب ہے کہ ہم اپنی جگہہ سے حرکت نہ کریں اور جن حالتوں میں ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو دیکھا ہے اُنھیں پر قانع رہیں، حالانکہ دوسری قومیں ہمارے سامنے سے دولت و ثروت، عزت و شوکت کے سر چشموں کی طرف بڑھی چلی جارہی ہیں اور ہم چپ چاپ بیٹھے ہوئے ان کو دیکھہ رہے ہیں؟ یا ہم پر واجب ہے کہ اُن اسباب پر غور کریں جو اُن کی ترقی اور ہمارے تنزل، اُنکی قوت اور ہمارے ضعف، اُن کی سعادت و بہبودی اور ہماری شقاوت اور بدبختی کا باعث ہوئے ہیں اور پھر اپنے مذہب پر ایک نظر ڈالیں اور سلف صالح کی پاکیزہ سیرتوں کا مطالعہ کرین اور باتوں کے سننے اور غور کرنے اور اچھی باتوں پر عمل کرلینے مین اُن مقدس بزرگون کی پیروی کریں اور دیگر قوموں کے ساتھہ ہم بھی ترقی اور کامیابی کی شاہراہ میں قدم زن ہوں؟ یہی وہ اہم مسئلہ ہے جس پر ہم نے نظر ڈالی ہے۔

وہ مسئلہ درحقیقت پردہ کا مسئلہ ہے جو تمام قومی مسائل میں سے زیادہ ضروری اور اہم ہے اور اُسکو قومی حالات میں بہت بڑا دخل ہے۔ جب کوئی شخص اپنے خیالات کا تابع اور اپنی عادات کا مطیع و منقاد ہو کر پردہ پر نظر ڈالتا ہے تو وہ اُس کو نہایت ہی عمدہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بچپن سے اُس کے مالوف ہے اور پردہ نشین عورتوں میں اُس نے نشو و نما پائی ہے، اور اپنی عمر کا ایک معتد بہ حصہ اُن کے ساتھہ بسر کیا ہے، اس واسطے عورتوں کو پردہ مین دیکھنا اُس کے لئے ایک عادت مالوفہ ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ یہی خیال اُسکو آباؤ اجداد سے وراثت مین پہنچا ہے اس واسطے وہ اُسکو کوئی نئی اور عجیب چیز نہیں سمجھتا اور طبعی طور پر اُسکی طرف میلان رکھتا ہے، جس میں عقل کو کچھہ دخل نہیں بلکہ یہہ محض ایک مکینکل تحریک جس مین عقل کا شائبہ بھی نہیں۔ مگر جب وہ

اُن عوامل اور موثرات کو دور کر کے جنہوں نے کہ اس قسم کے خیالات اُس کے دل میں پیدا کر دئے ھیں، اور اُن عادات سے قطع نظر کر کے جو آباؤ اجداد سے اُس کو وراثتاً حاصل ھوے ھیں، اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرتا ھے اور صحیح واقعات اور اپنے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر کوئی راے قائم کرتا ھے تو اُس کو معلوم ھو جاتا ھے کہ عورت ھرگز انسانیت کے درجہ کو نہیں پہونچ سکتی جب تک کہ اُسکو وہ خود مختاری اور آزادی نہ دی جاے جو شریعت اور فطرت نے اُسکو عطا کی ھے، اور اُسکے عقلی ملکات اُس درجہ کو نہ پہونچ جائیں جہانتک کہ اُن کا پہونچنا ممکن ھے۔ اُس کو معلوم ھوگا کہ ھمارا موجودہ پردہ جس کو ھم نہایت عزیز رکھتے ھیں عورت کی ترقی میں سخت حارج اور مانع ھے اور اس وجہ سے وہ قومی ترقی میں سد راہ ھے۔

عورتوں کی تربیت کی نسبت جس فصل میں ھم نے بحث کی ھے اُس مقام پر ھم تربیت کے فضائل اور اُسکے بہترین نتائج ظاھر کر چکے ھیں، جو خود عورتوں اور اُنکے گھروں اور سوسئٹی کے حالات میں نمایاں ھوتے ھیں۔ ھم یہ بھی بیان کر چکے ھیں کہ عورتوں کے کاموں سے محروم ھو جانا قوم کی پستی اور تنزل کا بہت بڑا سبب ھے خصوصاً بچوں کی تربیت تو بغیر تربیت یافتہ ماؤں کے ھو ھی نہیں سکتی۔ اُس مقام پر ھم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ بچے کو خواہ وہ لڑکی ھو یا لڑکا جسقدر عقلی اور اخلاقی ملکات حاصل ھوتے ھیں وہ صرف دو ذریعوں سے حاصل ھوتے ھیں وراثت اور تربیت۔ اور کم از کم جسقدر اُسکو اپنے باپ سے حاصل ھوتا ھے اُسیقدر ماں سے بھی حاصل ھوتا ھو، اور یہ کہ بچہ کی تربیت میں باپ کی نسبت ماں کو زیادہ دخل ھے۔ اب اس مقام پر ھم یہ امر ثابت کرنا چاھتے ھیں کہ اگر پردہ اپنی موجودہ حالت پر باقی رکھا جاے تو خود ماؤں کی

تربیت ناممکن ہے تاکہ ہمارے ناظرین جب اس باب کو ختم کریں تو اُن کو معلوم ہو جاوے کہ مسائل ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح مسلسل اور مربوط ہیں اور بڑے بڑے اہم مسائل چھوٹے چھوٹے مسائل پر منحصر ہیں۔

اگر ہم کسی لڑکی کو لیکر اُس کو ان علوم کی تعلیم دیں جو لڑکے ابتدائی مدارس میں سیکھتے ہیں اور اُس کو اخلاق حمیدہ اور عادات پسندیدہ کے مطابق تربیت کریں اور پھر اُسکو گھر کی چار دیواری میں بند کر کے مردوں کے ساتھ میل جول سے اُس کو روکدیں، تو اس میں شک نہیں کہ جو کچھ اُس نے پڑھا ہے وہ رفتہ رفتہ بھول جائیگی، اور تھوڑے ہی عرصہ میں اسکے اخلاق و عادات متغیر ہو جائیں گے، اور اُس میں اور غیر تعلیم یافتہ عورتوں میں کچھ بھی فرق باقی نہیں رہیگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انسان بچپن کے زمانے میں جو علوم حاصل کرتا ہے اُن کی باریکیوں اور حقائق پر مطلع نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اُس کا علم ناقص رہتا ہے، اور جب وہ جوان ہو کر ایک عرصہ تک عملی کاروبار اور علمی اشغال میں مصروف رہتا ہے تب اُس کی کسیقدر تکمیل ہوتی ہے۔ بچہ کو بے شمار نام یاد ہوتے ہیں مگر وہ ان میں سے اکثر کے معنی نہیں سمجھتا اور اس طرز تعلیم سے اُس کو صرف یہی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ کام کرنے کی عادت اور حقائق اور معارف حاصل کرنے کی استعداد اور قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر بالفرض اسی سن میں تعلیم کی رفتار روک دیجاوے تو اُس کی تمام معلومات مضمحل ہو جائینگی اور رفتہ رفتہ ذہن سے نکل جائینگی، اور جسقدر زمانہ تعلیم میں صرف ہوا ہے وہ بالکل اکارت جاوے گا۔

چونکہ وہ زمانہ جس میں عموماً لڑکیوں کو پردہ میں بٹھایا جاتا ہے (بارہ اور چودہ سال کے درمیان) ایک ایسا زمانہ ہے جس میں انسان بچپن سے جوانی کی طرف منتقل ہونا شروع

کرتا ہے اور مردوں کی طرح عورتوں کو بھی دنیوی کاروبار کا تجربہ کرنے اور ضروریات زندگی پر غور کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جس میں عقلی اور اخلاقی ملکات شگفتہ ہوتے ہیں اور خواہشیں اور رغبتیں ظاہر ہوتی ہیں، جس میں انسان ایک نئی قسم کا علم سیکھتا ہے جو مدارس کے علم سے زیادہ نفیس اور لطیف اور قیمتی اور کارآمد ہوتا ہے اور وہ زندگی کا علم ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ مختلف لوگوں کے ساتھ میل جول کرنا اور انکے اخلاق و عادات کا امتحان کرنا، یہہ ایک ایسا زمانہ ہے جس میں انسان اپنی قوم ملت وطن اور مذہب اور گورنمنٹ کو پہچاننا شروع کرتا ہے، جس میں ہر شخص کی استعداد اور قابلیت اور اس کا طبعی میلان ظاہر ہوتا ہے اور وہ نہایت جوش اور سرگرمی کے ساتھ اپنے کاروبار کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہہ ایک ایسا زمانہ ہے جو انسان کے لئے بڑی بڑی اُمیدوں اور نشاط اور اُمنگ کا زمانہ ہوتا ہے۔ پس اگر اس زمانہ میں لڑکی کو پردہ کی قید میں ڈال دیا جاوے اور اس عالم سے اس کے تعلقات بالکل قطع کر دئے جائیں تو بیشک اُس کی ترقی کی رفتار رک جائیگی، بلکہ تنزل شروع ہو جائیگا اور جو کچھ اُس نے حاصل کیا وہ سب فراموش ہو جائیگا، اور اُس کی تمام محنت اور کوشش اکارت جائیگی اور اُسکی اُمیدیں اور نیز لوگوں کو جو اُمیدیں اُس سے ہونگی وہ سب غارت ہو جائینگی پس میں لڑکی کا کچھ قصور نہیں ہے بلکہ وہ غریب اور مسکین محض ایک نالایق عادت کی وجہ سے ہمیشہ کیلئے ترقی اور کمال سے محروم کر دی گئی ہے۔

شاید بعض لوگ اس بات کا دعویٰ کریں کہ عورتوں کے لئے اپنے مکان ہی میں اپنی تعلیم و تربیت کی تکمیل کرنا ممکن ہے۔ یہہ خیال بالکل باطل اور سراسر غلط ہے کیونکہ علم حاصل کرنے کی رغبت اور لوگوں کے حالات اور اُن کو کاروبار میں غور کرکے تجربہ

حاصل کرنا موجودہ پردہ کی حالت میں عورتوں کے لئے ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ پردہ عورت کو
ایک تنگ و تاریک دائرہ میں محبوس کر دیتا ہے جس میں وہ صرف وہی معمولی اور یکساں باتیں دیکھتی
اور سنتی ہے جو گھر کی چار دیواری میں پیش آتی ہیں۔ باہر زندہ عالم جو غور و فکر اور حرکت و کاروبار
کی دنیا ہے اُس کے واقعات عورت کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر پہنچتے بھی
ہیں تو بے انتہا تحریف و تبدیل ہو کر پہنچتے ہیں۔ لیکن اگر عورت کے تعلقات
بیرونی دنیا سے بدستور قائم رہتے تو وہ اُن کے حادثات میں غور کر کے اور واقعات
سے تجربہ حاصل کر کے ایسے مفید اور کارآمد و قابل وقعت علوم سیکھتی جو باہمی معاشرت
اور میل جول اور دیکھنے اور سننے اور عالم کے تمام کاروبار زندگی میں شریک ہونے سے حاصل
ہوتے ہیں۔ اور ان علوم کے حاصل کرنے میں اُس تعلیم سے کسی قدر مدد ملتی ہے
جو اُسنے بچپن میں پائی ہے۔ بلکہ اگر لڑکی میں فطرتی ذکاوت اور طبعی جودت موجود ہے تو اسکو
ابتدائی تعلیم کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔

اچھا ہم فرض کرتے ہیں کہ عورت پردہ کی حالت میں بھی کتابوں کے مطالعہ کے
ذریعہ سے اپنی تعلیم و تربیت کی تکمیل کر سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو نتیجہ وہ کتابوں کے
ذریعہ سے حاصل کرے گی اگر عمل اور تجربہ سے اُسکو تقویت اور استحکام نہ ہوگا تو وہ محض
خیالات ہی کی قسم سے سمجھا جائیگا۔ اگر ابتدائی تعلیم کے بعد لڑکوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ
کیا جائے اور ۱۵ برس کی عمر کے بعد ان کو گھر کی چار دیواری میں بند کر دیا جائے تو نتیجہ
بالکل یکساں حاصل ہوگا۔ بلکہ اگر ہم ایک مرد کو جو اپنی عمر کی چالیس منزلیں طے کر چکا ہے
ایک گھر کی چار دیواری میں بند کر دیں اور اسکو مجبور کریں کہ وہ اپنی زندگی عورتوں اور بچوں اور
خدمتگاروں میں بسر کرے تو اُسکو معلوم ہوگا کہ بتدریج اُس کی عقلی اور اخلاقی قوتوں میں

تنزل اور انحطاط ہوتا جاتا ہے اور بالضرور کچھ عرصہ کے بعد اُس کے اخلاق و عادات اور خیالات عورتوں اور بچوں اور خدمتگاروں کے مساوی ہو جائیں گے، جنکی سوسائٹی میں اُس نے اپنی زندگی بسر کی ہے۔ پس ایسی حالت میں یہہ خیال کرنا نہایت غلطی کی بات ہے کہ جب ہم اپنی لڑکیوں کو تعلیم دے چکیں تو ایک خاص عمر میں اُنکو پردہ میں بٹھا دینا جائز ہے اور یہہ ابتدائی تعلیم نقصانات سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہوگی۔ کیونکہ خود پردہ میں سب بڑا نقصان ہے اور وہ یہہ ہے کہ جو کچھ وہ اپنی ابتدائی تعلیم میں حاصل کرتی ہیں بالکل برباد اور غارت ہو جاتا ہے اور آیندہ عمر میں ہمیشہ کے لئے ترقی سے محروم ہو جاتی ہیں، یہہ بالکل بدیہی اور ظاہر بات ہے جس کے لئے دلیل کی کچھ ضرورت نہیں۔ اس کے ثبوت کے لئے صرف یہی امر کافی ہے کہ ہم اپنے دل میں غور کریں کہ ۱۵ سال کی عمر میں ہماری کیا حالت تھی ہمکو معلوم ہوگا کہ ہم بچپن کے ساتھ زیادہ تر مشابہ تھے نہ دنیا کی کسی چیز کو اچھی طرح پہچانتے اور نہ زندگی کی قدر و قیمت جانتے تھے اور نہ اپنے حقوق اور فرائض کو سمجھتے تھے نہ ہم میں عزم تھا اور نہ استقلال ہمکو یہہ بھی معلوم ہوگا کہ ہماری تکمیل کا سب سے بڑا ذریعہ یہہ ہے کہ ہماری عقلی اور نفسانی تعلیم و تربیت مسلسل اور لگاتار جاری رہی ہے۔ یہہ تکمیل کتابوں کے پڑھنے سے ہرگز نہیں حاصل ہو سکتی بلکہ یہہ کاروبار کی دائمی مزاولت کرنے، لوگوں کے ساتھ میل جول کرنے، اُن کے اخلاق و عادات کا تجربہ کرنے، حادثات پر غور کرنے واقعات سے عبرت پکڑنے سے حاصل ہوتی ہے

حقیقت یہہ ہے کہ انسان کی تربیت کے واسطے کوئی مخصوص عمر نہیں ہے جہاں اُس کی انتہا ہو جاتی ہو، اور نہ اُس کے لئے کوئی خاص حد مقرر ہے جہاں پہنچکر وہ ختم ہو جاتی ہو۔ تربیت چند علوم کے حفظ کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی جن کو انسان

سخت محنت اور کوشش کر کے حاصل کر لیتا ہے اور اپنی باقی زندگی آرام و راحت کے ساتھ بسر کرتا ہے۔

تربیت دو تین سال یا اس سے زیادہ نہیں جیسے کہ عام لوگ خیال کرتے ہیں کہ مختلف علوم و فنون کی مدارس کے پروگرام میں درج ہیں کچھ مقدار حاصل کر لینا اور پھر امتحان دیکر ڈگری حاصل کر لینا اور پھر سستی اور بیکاری کی حالت میں ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتا۔ بلکہ تربیت ایک دائمی اور مسلسل عملی کوشش ہے جو انسان کے تمام نفسانی کمالات کا ذریعہ ہوتی ہے اور پیدائش کے دن شروع ہوتی اور موت کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔

ہم نے جس قدر پردہ کے نقصانات اوپر بیان کئے ہیں اگر کوئی شخص اُن کی صحت کو ایسے طریقہ پر معلوم کرنا چاہے جس میں بالکل شک و شبہ کی گنجایش باقی نہ رہے تو اُس کو چاہئے کہ اپنے خاندان کی تعلیم یافتہ عورتوں کی حالت کا دیہات کی معمولی عورتوں یا شہروں کی کاروبار کرنے والی عورتوں کے ساتھ جنہوں نے تعلیم نہیں پائی مقابلہ کرے۔ اسکو معلوم ہوگا کہ اُسکے خاندان کی عورتیں دیسی اور اجنبی زبانوں میں لکھنا پڑھنا اچھا جانتی ہیں مگر وہ زندگی کے کاروبار سے بالکل جاہل اور محض ناواقف ہیں۔ اگر وہ خود مختار کر دی جائیں تو اُن کو اپنے ذاتی کاروبار کا انجام دینا اور دنیا میں زندہ رہنا دوبھر ہو جائیگا مگر دیہات کی عورتوں اور کاروبار کرنیوالی شہری عورتوں نے باوجود جاہل ہونیکے بہت سی مفید اور کارآمد معلومات جمع کر لی ہیں جن کو اُنہوں نے معاملات کے تجربوں اور مختلف کاموں کی مزاولت اور مختلف حادثات سے جو اُن کو پیش آئے ہیں حاصل کیا ہے اور ان تمام باتوں نے اُن کو ہوشیار اور پختہ کار بنا دیا ہے۔ پس اگر کوئی پڑھی لکھی عورت اس قسم کی کسی جاہل عورت کے ساتھ معاملہ کرے گی تو اس میں شک نہیں کہ جاہل عورت اس پر غالب

رہے گی۔

یہی وجہ ہے کہ ہم اکثر مشرقی عیسائی عورتوں کو دیکھتے ہیں کہ اگرچہ اُنہوں نے مدارس میں ہماری لڑکیوں کی نسبت کچھ زیادہ تعلیم حاصل نہیں کی لیکن تاہم وہ مردوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول رکھنے سے اپنی ضروریات زندگی سے بہت زیادہ تر واقفیت رکھتی ہیں اور اپنی وسیع معلومات کی وجہ سے جو اُنہوں نے کتابوں سے حاصل نہیں کیں اپنی ہم وطن مسلمان عورتں سے بدرجہا فائق ہوگئی ہیں۔ حالانکہ وہ دونوں ایک جنس اور ایک ملک کی رہنے والی ہیں۔

ہم یقین کرتے ہیں کہ ہماری قوم کی عورتوں کو طبعی استعداد حاصل ہے کہ وہ دیگر قوموں کی عورتوں کی طرح ترقی کر سکتی اور اُن کی ہم پلہ ہو سکتی ہیں۔ مگر اسوقت وہ نہایت سخت تنزل اور انحطاط کی حالت میں ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہہ ہی ہے کہ ہم نے اُن کی عقل و شعور اور ادراک کو بالکل غارت کر دیا ہے اور اُنکی حق تلفی کر کے اُنکی قدر و قیمت کو گھٹا دیا ہے۔

ہم نے پردہ کی سخت قیود میں مبتلا کر کے اُنکی صحت کو خراب کر دیا ہے ہم نے انکو مجبور کیا ہے کہ وہ مکان کی چار دیواری میں محبوس رہیں اور اُن کو صاف ہوا اور دھوپ اور جسمانی اور عقلی ریاضتوں سے محروم کر دیا ہے۔

ہم میں سے ہر شخص کو معلوم ہے کہ ہماری قوم میں بے شمار ایسی عورتیں موجود ہیں جو دن رات میں کسی وقت بھی اپنے گھر سے باہر قدم نہیں نکالتیں اور ہمیشہ اُسکی چار دیواری میں محبوس رہتی ہیں جہاں اُنکے پاس سوائے کسی لونڈی یا ماما کے کوئی شخص موجود نہیں ہوتا البتہ کبھی کبھی تھوڑی دیر کے لئے کوئی پڑوس کی عورت ملاقات کی غرض سے

آجاتی ہے اور چند منٹ باتیں کر کے واپس چلی جاتی ہے۔ وہ اپنے شوہروں کو صرف
رات کے وقت دیکھتی ہیں، کیونکہ وہ دن بھر اپنی فکر معیشت کے کاروبار میں مصروف
رہتے ہیں اور رات کا غالب حصہ اپنے دوستوں اور قہوہ خانوں اور پبلک جلسوں میں
بسر کرتے ہیں۔

ہم میں سے ہر شخص کو معلوم ہے کہ بے شمار عورتیں اس پست زندگی کی وجہ
سے اس دائمی حبس میں اپنی صحت کھو بیٹھی ہیں ان پر نہایت سخت روحانی اور جسمانی
امراض مسلط ہو گئے ہیں اور وہ لطف زندگی سے بالکل محروم ہو گئی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہماری قوم کی اکثر عورتیں تشنج اور قلۃ الدم کے امراض میں مبتلا ہیں
جب کوئی عورت ایک ہی دفعہ بچہ جنتی ہے تو وہ نہایت لاغر اور کمزور ہو جاتی ہے، اس کے
جسم کے تمام جوڑ بند ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے آغاز شباب ہی میں بڑھیا معلوم
ہونے لگتی ہے۔ ان تمام خرابیوں کا منشا صرف مردوں کا خوف ہے کہ وہ ہمیشہ اُن کی
عفت اور پاکدامنی کو شبہہ کی نظر سے دیکھتے رہتے ہیں۔

اکثر اشخاص کا خیال ہے کہ پردہ موجب عفت اور بے پردگی فحش اور بدکاری کا باعث
ہے۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس پر کوئی قابل اطمینان دلیل قائم کرنا ناممکن ہے کیونکہ
اس وقت تک کسی شخص نے تمام ممالک کی مردم شماری کر کے ایسے اعداد بہم نہیں پہونچائے
جن سے اُن ممالک میں جہاں عورتیں پردہ میں رہتی ہیں اور نیز اُن ممالک میں جہاں
عورتوں کو آزادی حاصل ہے واقعات فحش کا صحت کے ساتھ قابل اطمینان طور پر
اندازہ ہو سکے۔ اور اگر بالفرض ایسے اعداد بہم پہونچ بھی جائیں تاہم اُن کے ذریعہ سے
اس مسئلہ کے کسی پہلو پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مختلف ممالک میں فحش کی

قلت اور کثرت کے بے شمار اسباب ھوتے ھیں جن میں پردہ کچھ زیادہ اھم نہیں ھے۔

ظاھر ھے کہ قوم کے وسائل معیشت اور اُس کی تربیت اور اوسکے مزاج اور اقلیم کی آب وھوا کو اُس کے اخلاق کی درستی اور اُن کے فاسد ھونے میں بہت بڑا دخل ھے یہی وجہ ھے کہ مختلف یورپین ممالک کے واقعات فحش کی تعداد میں بیّن اختلاف پایا جاتا ہے اس قسم کا اختلاف اُن ممالک میں بھی پایا جاتا ھے جس میں پردہ کی عادت ابتک بدستور باقی ہے بلکہ بعض اوقات ایک ھی شہر میں دو مختلف زمانوں کی تعداد میں بہت بڑا فرق نظر آتا ھے۔ تجربہ سے معلوم ھوا ھے کہ عورتوں کی آزادی پردہ کی نسبت زیادہ تر عفت اور پاکدامنی کا باعث ھو سکتی ھے۔ یہ ایک بدیہی بات ھے جس مین کچھ شک و شبہہ نہین ھو سکتا کہ امریکہ کی عورتیں کرہ زمیں کی نسبت زیادہ تر آزاد اور مطلق العنان ھیں اور مردوں کے ساتھ زیادہ تر اختلاط اور میل جول رکھتی ھیں حتیٰ کہ کم سن لڑکیاں اپنے ھم عمر لڑکوں کے ساتھ ایک ھی مدرسہ اور ایک ھی کلاس میں تعلیم پاتی ھیں۔ مگر باوجود اُسکے جو لوگ امریکہ کے حالات سے واقف ھیں اُن کا بیان ہے کہ وھاں کی عورتیں روے زمیں کی عورتون کی نسبت زیادہ تر عفیفہ پارسا، اور پاکدامن ھیں۔ اور اس کا یہہ سبب بتلاتے ھیں کہ وھاں عورتون اور مردوں کے درمیان نہایت گہرا اختلاط اور میل جول ھے۔ ایک بدیہی بات جس پر کسی قسم کی نکتہ چینی نہیں ہو سکتی یہہ ھے کہ عرب کی عورتوں اور نیز دیہات کی مصری عورتوں میں جو آزادی اور اختلاط کے لحاظ سے تقریباً یورپ کی عورتوں کی برابر ھیں فحش کی طرف میلان ان شہری عورتوں کی نسبت بہت ہی پایا جاتا ھے جن کی بدکاریوں اور ناھنجاریوں کو پردہ بالکل نہیں روک سکا۔

اس لئے مجبوراً اس بات کا یقین کرنا پڑتا ہے کہ جو عورتیں مردوں کے ساتھہ زیادہ تر اختلاط اور میل جول رکھتی ھیں وہ پردہ نشیں عورتوں کی نسبت فاسد خیالات سے زیادہ تر محفوظ اور

الگ تھلگ رہتی ہیں۔ اسکا اصلی سبب یہہ ہے کہ پہلی قسم کی عورتیں مردوں کے ساتھہ ملنے
جلنے اور اُنکی باتیں سننے کی عادی ہوتی ہیں۔ جب کوئی ایسی عورت کسی مرد کو دیکھتی ہے
تو اس کی نفسانی خواہشات میں بالکل تحریک پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو ایک
عرصہ تک ساتھہ رہنے اور اکثر اوقات تنہائی میں بسر کرنے سے ہوتا ہے۔ یہہ ایک
ایسی بات ہے جس کو شریعت نے منع کیا ہے اور ہم اُس کی ممانعت کو اوپر بیان کر چکے ہیں
مگر جب دوسری قسم کی کسی عورت کی نظر اجنبی مرد پر پڑ جاتی ہے تو اُس کا یہہ اثر ہوتا ہے کہ
بلا قصد اور بغیر کسی قسم کی بدنیتی کے اختلاف جنس کا خیال فوراً اُسکے دل میں گذر جاتا ہے۔
کیونکہ وہ اس بات کی عادی ہوتی ہے کہ وہ کسی اجنبی مرد کو نہ دیکھے اور نہ کوئی اجنبی مرد اُس کو
دیکھے۔ پس ایسی حالت میں صرف ایک اتفاقی نظر کا پڑ جانا اس خیال کے اُکسانے کے واسطے
کافی ہوتا ہے۔

بعینہ یہی اثر میں نے بارہا مردوں میں دیکھا ہے جیسا کہ میرے سوا اور بہت سے لوگوں
نے دیکھا ہوگا۔ میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ جو لوگ عورتوں کے ساتھہ ملنے جلنے کے عادی
نہیں ہیں جب کبھی اُن کو عورتوں میں بیٹھنے کا اتفاق ہوتا ہے تو اگر ان پر شایستگی اور تہذیب
کا رنگ غالب نہیں ہوتا تو وہ نفس امارہ کے ہاتھوں مجبور ہو جاتے ہیں اور عورتوں کو
بار بار گھورنے اور اُن کے حسن و جمال کی خوبیوں کا مطالعہ کرنے سے باز نہیں رہ سکتے اور
ادب اور شرم و حیا کو بالاے طاق رکھہ دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات اُن کے بدن کو ہاتھہ سے
چھونے کے لئے نہایت قابل نفرت حیلے پیدا کرتے ہیں گویا کہ وہ عملی طور پر اپنے اس خیال
کی تصدیق کرتے ہیں کہ عورت اور مرد کے ایک مکان میں جمع ہونے کا صرف یہی مقصد ہے
کہ وہ نفسانی خواہش کو پورا کریں۔ حالانکہ جو لوگ عورتوں کے ساتھہ ملنے جلنے کے عادی ہوتے

ہیں اُن کی حالت ہرگز ایسی نہیں ہو سکتی۔ عورت کو دیکھ کر نہ اُن کے دل میں بے چینی اور حواس میں اضطراب اور نہ اُنکے خیالات میں گھبراہٹ پیدا ہوتی ہے بلکہ عورت کے دیکھنے سے ان کے دل پر کچھ اُس سے زیادہ اثر نہیں ہوتا جسقدر کہ کسی مرد کے دیکھنے سے ہو سکتا ہے۔ پس لامحالہ پردہ کا ایک لازمی نتیجہ یہہ ہے کہ وہ محض نظر کے پڑجانے یا آواز سننے کے ساتھ ہی عورتوں اور مردوں کے دلوں میں شہوت کے خیال کو اُکساتا ہے یہی باعث ہے کہ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ جب کوئی راہ چلتی عورت کسی مرد کو دیکھتی ہے اور اُس کے ساتھ باتیں کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ اپنی حرکات میں تکلف اور بناوٹ اور آواز میں تصنع کر کے اپنے خیال کے مطابق اُس میں خوبی پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے تاکہ مرد کو پسند آئے۔ اور قریب قریب یہی حالت مرد کی ہوتی ہے

یوروپین ممالک، قسطنطنیہ، مصر کے دیہات، اور جنگلی بدوؤں میں جو حالت میں نے اور دیگر اشخاص نے دیکھی ہے وہ اس حالت کے بالکل برخلاف ہے وہاں عورتیں اور مرد ایک دوسرے کے برابر نکلے چلے جاتے ہیں اور کوئی کسی کی طرف خیال بھی نہیں کرتا۔

اس میں شک نہیں کہ ذہن کو اختلاف جنس کی طرف متوجہ کرنا شہوت کے اکسانے کا بہت بڑا سبب ہوتا ہے۔

یہہ امر ظاہر ہے کہ جو عورت باوجود آزاد اور بے پردہ ہونے کے اپنی عزت و آبرو کو بچاتی، اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کرتی ہے، وہ پردہ نشیں عورت کی نسبت بدرجہا زیادہ افضل اور زیادہ قابلِ تعریف ہے۔ کیونکہ اُسکی عفت اختیاری اور اسکی عفت اضطراری ہے اور ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ میں ہرگز نہیں خیال کر سکتا کہ ہم اپنی عورتوں کی عفت پر کس طرح فخر کر سکتے ہیں حالانکہ ہمارا یقین ہے کہ گھروں کی چار دیواری میں ان کو محبوس کر کے اور قفل لگا کے اُن کی حفاظت کی جاتی ہے؟

کیا کسی قیدی کا یہہ دعویٰ قبول کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک پاکدامن شخص ہے اور قید میں کوئی گناہ اُس سے سرزد نہیں ہوا؟ پس جبکہ ہماری عورتیں پردہ کی قید میں محبوس ہیں تو وہ عفت کی فضیلت کو کسطرح حاصل کرسکتی ہیں اور اُن کے عفیف اور پاکدامن ہونے کے کیا معنی ہیں؟ عفت ایک خصلت ہے جس کی مدد سے انسان باوجود قادر ہونے کے اپنے آپ کو بدکاری سے بچاتا اور شہوت سے باز رکھتا ہے۔ شاید تمام شرعی تکالیف صرف انہیں اعمال سے متعلق ہیں جو اختیاری ہیں نہ کہ اضطراری پس عفت جسکی عورتوں کو تکلیف دیگئی ہے وہ اختیاری ہونا چاہیئے ورنہ اضطراری ہونے کی حالت میں اُن کو کچھ ثواب نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"من عشق فعف فکتم فمات فہو شہید"۔

حقیقت یہہ ہے کہ ہم عملی طور پر اپنے اس اعتقاد کا اظہار کر رہے ہیں کہ ہماری عورتوں میں عفت اور پاکدامنی کی قابلیت اور صلاحیت ہی نہیں ہے۔ نہایت شرم کی بات ہے کہ ہم میں ایک شخص بھی ایسا موجود نہیں ہے جو اپنی عورت پر بھروسہ اور اعتماد رکھتا ہو خواہ وہ سالہا سال اُس کا امتحان کرچکا ہو۔ ڈوب مرنے کی جگہہ ہے کہ ہم یہہ خیال کریں کہ ہماری مائیں اور بہنیں اور بیبیاں اور بیٹیاں اپنی عصمت کی حفاظت کرنا نہیں جانتیں۔ کیا ہم کو مناسب ہے کہ ہم ان پاک اور مقدس خاتونوں پر جو ہمیں نہایت عزیز او پیاری ہیں بھروسہ نکریں اور ہر وقت ان کو بدگمانی اور شک کی نظر سے دیکھتے رہیں؟

میں ہر ایک بے غرض اور بے لاگ آدمی سے دریافت کرتا ہوں کہ کسی انسان کے ساتھہ ایسا نالائق برتاو کرنا جائز ہے جس میں وہ تمام انسانی خواص موجود ہیں جو ہم میں پائے جاتے ہیں ہماری طرح اُس میں بھی روح، دل، وجدان، حواس اور عقل موجود ہے۔ اور کیا عورت کی ساتھہ

اس حدتک بدگمانی کرنا اپنے ذاتی اعتبار کے ساتھہ متفق ہوسکتا ہے۔

عقلمند لوگ اس بات کا یقین کرتے ہیں کہ عورت کی حفاظت کے لئے جو وسائل عمل میں لائے جاتے ہیں خواہ کیسی دقت اور باریک بینی اور نازک خیالی کے ساتھہ پیدا کئے جائیں ہرگز کسی قسم کا فائدہ نہیں پہونچا سکتے اگر عورت کا دل مرد اپنے قابو میں نہیں لاسکا۔ اس لئے کہ یہ بات مرد کی استطاعت سے باہر ہے کہ وہ دن اور رات میں ہر ہر منٹ پر اپنی عورت کی حرکات و سکنات کی نگرانی کرسکے۔

جب کوئی مرد اپنے گھر سے خود باہر جاتا ہے یا کسی سخت ضرورت سے اپنی عورت کو باہر جانے کی اجازت دیتا ہے تو ایسی حالتوں میں اگر اُس کو اس بات پر بھروسہ نہیں ہے کہ عورت خود اپنی حفاظت اور صیانت کرسکتی ہے تو کس امر پر اعتماد رکھتا ہے؟ علاوہ اسکے اگر عورت کا دل مرد کے اختیار میں نہیں ہے تو اُسکے جسم کی حفاظت کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے؟ کیونکہ یہہ امر اُس کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ عورت کی دلی حرکات کی نگرانی کرسکے۔ اگر عورت کسی اجنبی مرد کو چاہتی ہو اور اسکے ساتھہ دلی محبت رکھتی ہو تو وہ کسطرح روک سکتا ہے؟ فرض کرو کہ کسی عورت نے جالیوں میں سے کسی حسین اور شکیل نوجوان کو جاتے ہوئے دیکھا اور اُس پر فریفتہ ہوگئی اور یہہ بات چاہی کہ تھوڑی دیر اُسکے جمال بالکمال کے نظارہ سے لذت حاصل کرے پس کیا حقیقۃً یہہ زنا نہیں ہے کیا اُسنے عفت و عصمت کو بالائے طاق نہیں رکھدیا؟ کیا فاصلہ کے بعد کی وجہ سے ملاقات کا ناممکن ہونا عفت خیال کیا جاسکتا ہے؟ بیشک آنکھوں اور دلوں کی زنا پر شرعی حدود جاری نہیں کی جاتیں کیونکہ حدود اور سزاؤں کو لوگوں کے دلوں اور خیالات پر تسلط حاصل نہیں ہے لیکن اہل تقویٰ اور پارساؤں کے نزدیک جسمانی بعد کا کچھہ بھی اعتبار نہیں

اگر روحانی مواصلت اور قلبی محبت حاصل ہے۔

اس کو بھی جانے دو ہم پوچھتے ہیں کہ پردہ سے کونسا نتیجہ حاصل ہوا ہے کیا ہم نے نہیں سنا کہ گھروں کے اندر بارہا ایسے شرمناک واقعات پیش آئے ہیں جو عزت و آبرو کو بٹہ لگانے والے اور ننگ و ناموس کو برباد کرنے والے ہیں؟ کیا عورتوں کو قلعوں میں چھپا لینے اور گھروں کی چاردیواری میں قید کرنے اور قفل ڈال لینے سے فسق و فجور کا بالکل سدباب ہو گیا ہے ہرگز نہیں۔

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ عورتوں کی بدکاری اور اُن کے فسق و فجور کے افسوسناک واقعات جسقدر آجکل سنے جاتے ہیں اُتنے پہلے نہیں سنے جاتے تھے۔ بلکہ درحقیقت گذشتہ تیس سال کی نسبت آجکل بدکاری کی بہت زیادہ کثرت ہے اور اس کا باعث صرف پردہ کی تخفیف ہے۔ پس پردہ کی قدیم حالت بہ نسبت موجودہ حالت کے جو عورتوں پر طاری ہوئی ہے عفت و عصمت کی زیادہ تر حفاظت کرنے والی ہے۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض مردان اور عورتوں کی فاسد طبیعتیں پردہ کی تخفیف کی وجہ سے باہمی تعارف اور میل جول اور فسق و فجور کی طرف زیادہ تر مائل ہو گئی ہیں۔ بلکہ ہم اس پر اسقدر اور اضافہ کرتے ہیں کہ اگر ایسی ہی سرعت اور تیزی کے ساتھ پردہ کی تخفیف کی رفتار جاری رہی اور ہماری قوم کی حالت میں تعلیم و تربیت کے لحاظ سے کوئی ترقی نہ ہوئی تو نہایت مصیبت کا سامنا ہوگا اور فحش اور بدکاری کو زیادہ ترقی ہوگی۔

فحش اور بدکاری جسکی زیادتی کی اسوقت شکایت کی جاتی ہے اُسکا اصلی سبب پردہ کی تخفیف نہیں ہے بلکہ اُسکے بہت سے اسباب ہیں جو صرف دو لفظوں میں تعبیر کئے جا سکتے ہیں۔ جہالت اور سوء تربیت۔

سوء تربیت ہی خفیف الحرکاتی اور چھچھورپن کا اصلی سبب ہے یہی اس امر کا باعث
ہوتا ہے کہ ایک ثقہ عورت جو اپنے خاندان اور اپنی قوم میں نہایت معزز و محترم اور صاحب
وقعت خیال کی جاتی ہے رستہ سے گذرنے والے اجنبی نوجوان کو بے تکلف گھورا کرے۔
سوء تربیت ہی اُن ناگوار نتائج سے غافل کردیتی ہے جو اس شیطان سیرت نوجوان کے
اشاروں پر چلنے اور اُسکی شیطانی خواہشوں کی تعمیل کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اور وہی سلسلہ
گفتگو کے شروع ہونے سے پہلے ملاقات اور مواصلت کی طرف مائل کرتی ہے۔ یہہ عقد
محبت صرف نگاہوں اور اشاروں کے ذریعہ سے مستحکم ہوتا ہے جن سے نہ اُنکی اخلاقی
حالت معلوم ہوتی ہے اور نہ اُنکے عقلی اور نفسانی حالات کا پتہ چلتا ہے جنکی وجہ سے دو
شخصوں کے درمیان ارتباط پیدا ہو سکتا ہے۔

سوء تربیت ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام پردوں کو پھاڑتی اور عورتوں کے لئے ہر قسم کی
بدکاریوں اور ناہنجاریوں کا دروازہ کھولتی ہے۔ یہہ ایک ایسا متعدی مرض ہے جسکے سبب سے ہی
ایک عورت دوسری عورت کی طرف اور ایک خاندان سے دوسرے خاندان کی طرف منتقل ہونیکا
خوف کیا جاتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ پردہ نشین عورتیں خواہ وہ کیسا ہی سخت پردہ کرتی ہوں تاہم
وہ ادنی اور پست طبقہ کی بدچلن عورتوں سے ملتی اور اُن کی باتیں سنتی ہیں مثلاً ایک اعلی اور شریف
گھرانے کی خاتون اپنے مکان کے خدمتگار کی عورت کے ساتھہ باتیں کرنا کچھہ عیب نہیں
سمجھتی اور اُس سے تمام باتیں خواہ وہ حیا اور وقار کے خلاف ہوں سنتی ہے اور نہ بازاری
عورتوں اور کپڑا بیچنے والیوں کے ساتھہ باتیں کرنا قابل نفرت جانتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات بوجہ
اپنی جہالت اور نادانی کے ایسی اجنبی اور مجہول عورتوں کے ساتھہ میل جول اور اختلاط بڑھاتی
ہے جنکی نہ اخلاقی حالت معلوم ہوتی ہے اور نہ اُنکے حسب ونسب اور سکونت کا حال معلوم ہوتا

ان تمام باتوں سے بڑھکر اخلاق کی تباھی اور بربادی کا باعث یہہ ہے کہ اکثر شادیوں اور خوشیوں کی موقعوں پر ناچنے والی بیحیا عورتوں کو بلایا جاتا ہے جو ماؤں اور لڑکیوں اور بیٹوں اور بڑوں کے سامنے ناچتی اور گاتی ھیں۔

یہہ خرابیاں ہیں جو سوء تربیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ غرضکہ وہ اخلاقی حالت کے بگاڑنے میں بہت بڑا سبب ہے جسکے مقابلہ میں پردہ کی تخفیف کی کچھ بھی ہستی اور حقیقت نہیں۔

گذشتہ چند سال کے عرصہ میں ھمارے ملک میں بے شمار بدحادثات اور واقعات پیش آئے اور ھمکو اپنے ملک کے اندر بہت سی مغربی قوموں کے ساتھہ میل جول کرنے کی ضرورت واقع ہوئی اور اُنکے اور ھمارے درمیان جو تعلقات قایم ہوئے اُنکے ذریعہ سے ھمکو معلوم ہوگیا کہ وہ ھماری نسبت زیادہ ترقی یافتہ اور زیادہ مہذب اور شایستہ ھیں اس لئے ھماری قوم کا ایک گروہ کثیر ظاھری اخلاق و عادات میں اُنکی تقلید کرنے لگا۔ خاصکر اُن امور میں جن سے شہوت کا اتباع اور قیود سے آزادی حاصل ہوتی ھے۔ پس اسکا نتیجہ یہہ ھوا ہے کہ ھماری قوم کے اکثر امیروں اور رئیسوں نے اپنی عورتوں کے معاملات میں ضرورت سے زیادہ تساھل کیا اور اُن کو پبلک سیرگاہوں کی ھوا کھانے اور تھیٹروں کے تماشے دیکھنے کی اجازت دی۔ اسی طرح اور بہت سی نالایق باتوں میں ان کی تقلید کی۔ اس سے بھی کسیقدر عورتوں کے اخلاق میں فساد پیدا ھوا۔

غرضکہ یہہ افسوسناک اور ناگوار حالت جن اسباب سے پیدا ہوئی ھے اُنکو ھم بیان کرچکے اور اُسکے نتایج بھی دکھلا چکے ہیں لیکن اس حالت کا مٹا دینا اور پھر از سرنو پردہ کو تمت کرکے قدیم حالت پر لانا ہماری مصلحت کے خلاف اور ہمارے امکان سے خارج ہے بلکہ ہمارے لئے بہتر یہی ہے کہ اس موجودہ حالت کی حفاظت کریں اور جو نقصانات اُس سے پیدا ھوئے ہیں اُن کے دفعیہ کی کوشش کریں۔ صرف

یہی امر ہمارے امکاں میں ہے۔

یہہ بات کہ اس حالت کا مٹا دینا ہماری مصلحت کے خلاف ہے اس کی وجہہ ہم پردہ کے نقصانات میں بیان کر چکے ہیں اور یہہ کہ اس کا دفعیہ ہمارے امکان سے خارج ہے اسکی وجہ یہہ ہے کہ اس حالت کے اسباب جو اوپر بیان کئے گئے اب تک بدستور باقی ہیں بلکہ روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ اور نیز یہ کہ اکثر لوگوں کو عورتوں کے ساتھہ نیک اور شریفانہ سلوک اور عمدہ اور مہذبانہ برتاؤ کرنے کی طرف میلان پیدا ہوگیا ہے اور وہ اُنکی خوشی کو مقدم سمجھنے اور اُنکی فرمایشوں کی تعمیل کرنے لگے ہیں۔ اکثر مردوں کے دلوں میں عورتوں کی طرف سے ایک حد تک اعتبار و اعتماد پیدا ہوگیا ہے جو چند سال پیشتر نہ تھا اور اِس حالت کا احساس عورتوں کو بھی ہوگیا ہے اور وہ اس آزادی کو اپنا ایک واجبی حق اور منجملہ ضروریات معیشت کے سمجھنے لگی ہیں پس اسوقت مردوں کو اپنی عورتوں کے ساتھہ ایسا برتاؤ کرنا آسان نہیں ہے جو چالیس برس پیشتر کیا جاتا تھا۔ پس ہمارا فرض یہہ ہے کہ اِن نقصانات کے دفعیہ کی تدبیریں کریں جن کا منشاء پردہ کی تخفیف خیال کیا جاتا ہے۔ اس بارہ میں تربیت سے بہتر کوئی علاج نہیں ہوسکتا جو عورتوں کو ہر قسم کی بدتمیزی اور بدچلنی سے روکنے والا ہے۔

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ تعلیم و تربیت سے تو عورتوں کے اخلاق و عادات کی اصلاح ہوتی ہے مگر آزادی اور مطلق العنانی سے سوائے آوارگی اور فسق و فجور کے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اِسکے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جو آزادی ہم عورتوں کو دینا چاہتے ہیں اُس میں یہہ بھی شرط لگی ہوئی ہے کہ اجنبی مرد کے ساتھہ تخلیہ کرنا ممنوع ہے۔ اس سے اُن تمام مفاسد کا بخوبی دفعیہ ہوجائیگا جو صرف تخلیہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر آزادی فی نفسہ کسی حالت میں مضر نہیں ہوسکتی جب کہ اصلی اور واقعی تربیت کے ساتھہ دی جائے کیونکہ

سچی تربیت ایسی زبردست اور مستقل مزاج افراد پیدا کرتی ہے جو صرف اپنی ذات پر بھروسہ
کرتے اور اپنے بل پر کھڑے ہوتے ہیں۔ پس جس شخص کی مکمل طور پر تربیت ہوگی وہ صرف
اپنی ذات پر بھروسہ کریگا اور سب سے مستغنی ہوگا۔ اور جسکی تربیت ناقص اور ناتمام رہیگی وہ
تمام باتوں میں غیروں کا محتاج اور دست نگر رہیگا۔ پس جسطرح مردوں میں بھی خودداری
اور استقلال کا پیدا ہونا مفید ہے۔ اسی طرح یقیناً عورتوں کے لئے بھی مفید ہوگا اور اُن کو
ہر قسم کی دنائت اور بد اخلاقی سے روکے گا۔ اسلئے عورتوں کی تربیت سے صرف یہی غرض
ملحوظ ہونا چاہیئے۔

حسن تربیت اور استقلال ارادہ یہی دونوں چیزیں ہر ایک زمانے اور ہر ایک قوم
میں مردوں کی ترقی اور اُن کو درجہ کمال پر پہونچانے کے بہترین وسائل شمار ہوتے رہے ہیں
پس کسطرح کوئی عقلمند شخص اس بات کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ عورتوں پر اُن کی تاثیر ناقص
ہوگی؟ جو لوگ یہہ خیال کرتے ہیں کہ تربیت اور استقلال ارادہ عورتوں کے لئے
اخلاقی تباہی اور بدچلنی کا باعث ہونگے اُن کی نظر بعض خاص اعتبارات پر محدود رہی ہے
جن سے دنیا کا کوئی مفید کام خالی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہر ایک مفید چیز مضرت اور نقصان
سے خالی نہیں ہے اگر اس کا بُری طرح استعمال کیا جاوے۔

مردوں کی تعلیم پر غور کرو، اُس میں بھی تم کو بے شمار نقصانات نظر آئیں گے بہت
سے تعلیم یافتہ اشخاص اپنے علم وفضل کو اپنی ذات یا دوسرے شخصوں کے نقصان رسانی
میں استعمال کرتے ہیں۔ پس اس بنیاد پر کوں کہہ سکتا ہے کہ مردوں کو تعلیم دینا مناسب
نہیں ہے، کیونکہ اس امر کا خوف کہ وہ اپنے علم کو اپنی ذات اور دیگر شخصوں کو نقصان پہونچانے
میں صرف کرینگے، اور یہہ کہ ان کو غفلت اور جہالت کی حالت میں چھوڑ دینا ضروری

ہے؟ غالباً اس بات کا خیال کبھی کسی عقلمند شخص کے ذہن میں نہیں گذر سکتا۔ پس جبکہ اس امر پر اجماع و اتفاق ہو چکا ہے کہ مردوں کے لئے جاہل ہونا اور غلامی کی حالت میں رہنا معیوب ہے اور انسانی فضائل اور کمالات حاصل کرنے کے لئے ان کو علم عمل اور آزادی رائے کی سخت ضرورت ہے تو کیا وجہ ہے کہ جب عورتوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو ہم اس مقدمہ کی صحت میں اختلاف کرنے لگتے ہیں؟ حالانکہ فطرت اور خلقت کے لحاظ سے دونوں جنسوں (عورتوں اور مردوں) میں کچھ فرق نہیں ہے۔

حق بات یہ ہے کہ ہم نے عورتوں میں عفت کی صفت کا لحاظ کرنے اور اوس کی حفاظت کے لئے ہر قسم کے وسائل مہیا کرنے اور اُسکی عظمت و شان کو بڑھا چڑھا کر دکھلانے میں نہایت مبالغہ سے کام لیا ہے اور باقی تمام چیزوں کو اس پر نثار کر دیا ہے بے شک عفت عورتوں میں ایک نہایت خوشنما اور اعلیٰ درجہ کی صفت اور اُنکی اخلاقی آرائش کے لئے بہترین زیور ہے لیکن وہ اُن دیگر صفات کے قایم مقام نہیں ہو سکتی جن کا عورتوں میں ہونا نہایت ضروری اور لابدی ہے۔ عقل، حسن تدبیر، اولاد کی تربیت کی قابلیت، خانگی انتظام کی لیاقت یہ ایسی صفات ہیں جن کا عورت میں موجود ہونا نہایت ضروری ہے اور جن کو عفت کی تکمیل میں بہت بڑا دخل ہے۔ ان ضروری صفات میں سے اگر کوئی صفت عورت میں موجود نہ ہو تو اس سے اُسیقدر عورت کی تحقیر اور بے قدری ہوگی جسقدر کہ عفت کے نہ ہونے سے ہو سکتی ہے۔

تمام آسمانی شریعتیں اور انسانی قوانین اس امر میں متفق ہیں کہ عقد نکاح ایک ایسی چیز ہے جسکے ذریعہ سے عورت اور مرد کا جمع ہونا جائز اور حلال ہو جاتا ہے اور اس مقدس عقد کے بغیر ممنوع اور قابل نفرت ہے۔ خاندانی نظام اور نفس انسانی کے کمال کا یہی اقتضا

ہے جس کے خلاف عمل کرنا بے شک قبیح اور مذموم ہے لیکن اُن آسمانی شریعتوں اور انسانی قوانین نے اور بہت سے کاموں کی ممانعت کی ہے اور مثل زنا کے اُن کو بھی حرام قرار دیا ہے، اور بہ نسبت زنا کے زیادہ تر سخت سزائیں اُنکے لئے تجویز کی ہیں۔ اس لئے کہ نظام عالم کو اُن سے جو صدمہ پہونچ سکتا ہے وہ زنا سے زیادہ سخت ہے دیکھو قتل کا جرم مذہب اور قانون کے نزدیک زنا سے زیادہ سخت ہے، پس کیا وجہ ہے کہ ہم اُسکی انسداد کے لئے ایسے نقصان دہ وسائل استعمال نہیں کرتے جیسے زنا کے انسداد کے لئے کرتے ہیں

ظاہر ہے کہ ہم پر ساعت بساعت قسم قسم کے بے شمار مصائب نازل ہوتے ہیں، مگر وہ ہمکو ہاتھ پاؤں ہلانے اور کوشش کرنے اور کسب معیشت کے لئے سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے سے نہیں روک سکتے اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے گرد وپیش قتل و غارت، چوری اور ڈکیتی، جعل سازی اور فریب بازی وغیرہ وغیرہ سنگین جرائم کا ارتکاب کیا جاتا ہے جن سے ملک کی اطمینانی حالت میں فتور اور برہمی پیدا ہو جاتی ہے مگر باوجود اس کے ہم اِن سخت ترین مصائب کو برداشت کرتے اور تقدیر پر راضی اور شاکر رہتے ہیں، اور جرائم سے ملک کو پاک صاف کرنے کے لئے صرف جائز وسائل استعمال کرتے ہیں مثلاً مجرموں کو سزا دینا اور تعلیم و تربیت کی اشاعت کرنا پس درحقیقت کسی عورت کا فحش کا ارتکاب کرنا اسی قسم کا ایک جرم ہے جس سے کوئی انسانی گروہ خالی نہیں ہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ ہم اُس کو سخت اور قبیح ترین جرم خیال کرتے ہیں اور اُس کے انسداد کے لئے ایسے نقصان دہ وسائل استعمال کرتے ہیں جو اُسی درجہ کے دوسرے جرائم کے انسداد کے لئے نہیں کرتے۔

بہرحال یہ امر کسی طرح جائز نہیں کہ ہم صرف وہمی اور خیالی نقصان سے بچنے کے لئے

ایسے وسائل عمل میں لائیں جن میں حقیقی نقصان ہو۔ پس عورت سے زنا کا سرزد ہونا ایک احتمالی امر ہے جو کبھی واقع ہوتا ہے اور بسا اوقات نہیں واقع ہوتا مگر اُسکو پردہ کی قیود میں مبتلا کرنے اور اُسکی جسمانی اور عقلی قوتوں سے فائدہ اٹھانے سے روکنے میں حقیقی نقصان ہے جو یقینی طور پر برداشت کرنا پڑتا ہے۔

ہماری قوم کے بعض اشخاص یہہ خیال کرتے ہیں کہ اگر پردہ اوٹھا دیا جائے تو ہماری عورتیں دوسرے مردوں کی طرف مائل ہونگی۔ اور اسی لئے وہ ان کو چار دیواری میں بند کرکے قفلوں کے ذریعہ سے اُن کی حفاظت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب اُن کو وسوسوں اور توہمات سے اطمینان قلب حاصل ہوگیا ہے۔ مگر اُن کو معلوم نہیں کہ بسا اوقات محفوظ پردہ گاہوں کے اندر ناگوار واقعات پیش آتے ہیں اور اُن وسائل احتیاط سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا لیکن وہ اپنے اس طرز عمل سے بہت سے زندہ آدمیوں کو بیکار کردیتے ہیں جو اُن کی بیبیوں کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔

عورتوں کے متعلق یہہ توہمات جو بالفعل ہماری قوم کے دماغوں پر مسلط ہورہے ہیں گذشتہ زمانے میں بہت سی قومیں ان توہمات میں مبتلا رہی ہیں۔ اور جسطرح ہم نے اپنی عورتوں کو پردہ کی قیود میں ڈال رکھا ہے اُنہوں نے بھی یہی سخت برتاؤ اپنی عورتوں کے ساتھہ کیا ہے۔ بلکہ اُنہوں نے اپنی عورتوں کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کی غرض سے جو جو طریقے ایجاد کئے تھے وہ ہمارے خواب وخیال میں بھی نہیں آئے۔ یورپ کے شرفا اور اعلی طبقہ کے لوگوں میں عورتوں کی عصمت کی حفاظت کی غرض سے قرون متوسطہ میں ایک عجیب وغریب طریقہ مستعمل تھا جو "محافظ عصمت" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہہ ایک لوہے کی چیز تھی جو بطور جانگیہ کے عورت کو پہنادی جاتی تھی اور اُس میں قفل لگادیا جاتا تھا اور اُس کی کنجی ہمیشہ شوہر کی جیب میں رہتی تھی مگر اس سے بھی بدچلن عورتوں کی چلنی کا

انسداد نہ ہوسکا کیونکہ اکثر عورتیں مصنوعی کنجیاں اپنے عاشقوں کے حوالہ کردیتی تھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد اُن لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان توہمات سے فائدہ کی نسبت نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جب ان میں علوم فنون کی اشاعت ہوئی اور اُنہوں نے اپنے خانگی کاروبار کو عقل سلیم اور علم صحیح سے جو وہم کی آمیزش سے پاک صاف تھا جانچنا شروع کیا، تو ان کو معلوم ہوا کہ اُس وقت تک قومی سعادت و فلاح ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ عورتیں قومی کوششوں میں اُن کا ہاتھ نہ بٹائیں۔ اسلئے اُنہوں نے اپنی عورتوں کو تعلیم و تربیت کے ساتھ آراستہ کرنا شروع کیا، اور ان کو قید سے آزادی حاصل ہوئی اور کاروبار زندگی میں وہ مردوں کی مدد کرنے لگیں۔ اگر یہہ کہا جائے کہ یوروپ کے موجودہ تمدن کی عظیم الشان اور سربفلک عمارت جو تم کو نظر آرہی ہے اُس کا بنیادی پتھر عورت ہی ہے تو کچھ مبالغہ نہیں ہے۔

عورتوں کی تربیت سے اہل یوروپ کو صرف یہی فائدہ حاصل نہیں ہوا جسکی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے بلکہ اس سے اور بیشمار فوائد حاصل ہوئے ہیں جو تدبیر منزل اور اصول کفایت شعاری سے تعلق رکھتے ہیں۔

تم کسی متوسط طبقہ کے یوروپین شخص کے مکان میں جاکر دیکھو، تم کو معلوم ہوگا کہ وہاں انتظام کی خوبی اور ترتیب کی عمدگی اور فرنیچر کی صفائی اُسی طبقہ کے مشرقی شخص کے مکان کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ مگر باوجود اسکے مشرقی شخص کی نسبت اُس کے اخراجات بھی بہت ہی کم ہوتے ہیں۔

ہماری قوم کے کسی شخص کو دیکھو، ضروری بات ہے کہ اُس کا مکان دو حصوں پر منقسم ہوگا۔ ایک حصہ مردوں کے لئے اور دوسرا عورتوں کیلئے۔ پس جو شخص ایک مکان

بناتا ہے اُس کو درحقیقت دو مکان بنانے پڑتے ہیں اور جو شخص ایک مکان کرایہ پر لیتا ہے
اُسکو دو مکان کرایہ پر لینا پڑتے ہیں اسیطرح گھر کے فرش فروش اور تمام اثاث البیت میں دگنے اخراجات برداشت
کرنے پڑتے ہیں خدمتگار بھی دیوان خانہ اور زنانخانہ کیلئے جدا جدا رکھنے پڑتے ہیں گاڑیاں بھی مردوں اور عورتوں کیلئے جدا جدا
درکار ہوتی ہیں، کیونکہ ہمارے رواج کے مطابق یہہ امر معیوب خیال کیا جاتا ہے کہ کوئی
شخص اپنی بیوی یا اپنی والدہ کے ساتھہ ایک گاڑی میں سوار ہوکر ہوا خوری کو جائے، اگر کوئی
عورت یا مرد مہمان آجاتا ہے تو ایک دسترخوان کی جگہہ لازمی طور پر دو دسترخوان بچھانے
پڑتے ہیں۔ غرضکہ اسی طرح بہت سا روپیہ فضول اخراجات میں برباد ہوتا ہے جسکا اصلی
سبب صرف پردہ کی سختی ہے۔

کیا مصر کے باشندے خیال کرتے ہیں کہ اہل یورپ جو علمی اور عقلی کمالات کے
لحاظ سے اس درجہ پر پہونچ گئے ہیں کہ اُنہوں نے اسٹیم اور الکٹرسٹی اور نیچر کی دیگر قوتوں
کو مسخر کرکے اُن سے طرح طرح کے کام لئے ہیں جن کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھہ رہے
ہیں، جو علم اور عزت اور دنیوی عیش حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے
سے ہرگز درگذر نہیں کرتے، اگر درحقیقت عورت کی عصمت کی حفاظت کا کوئی طریقہ ہوتا تو
اُن باریک بین عقلوں سے مخفی رہتا جن کے حیرتناک اور تعجب انگیز آثار دنیا بھر میں
ہم بچشم خود مشاہدہ کر رہے ہیں؟ کیا مصر کے باشندے خیال کرتے ہیں کہ اگر پردہ
میں کوئی فائدہ ہوتا تو اہل یورپ اُس کو ترک کرسکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ درحقیقت پردہ منجملہ
اُن وسائل کے ہے جن کو صرف بیوقوف آدمی پسند کرتے اور اُن پر اطمینان رکھتے ہیں۔
مگر جن کی عقلیں مہذب اور خیالات لطیف اور نازک ہیں وہ اُسسے نہایت نفرت اور
ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

جب عقل مہذب اور خیالات لطیف اور نازک ہو جاتے ہیں تو مرد کو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ عورت بھی مثل مرد کے انسان ہے، جس میں تمام انسانی خواص موجود ہیں، اور یہہ کہ شریعت نے جو باتیں ہر ایک شخص پر دوسرے کے لئے فرض کی ہیں اُنکے بجالانے کے بعد ایک کو دوسرے پر جبر کرنے کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔

جب عقل مہذب اور خیالات لطیف اور نازک ہوتے ہیں تو مرد کو معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ پردہ درحقیقت عورت کو معدوم کر دیتا ہے اسکے بعد اُس کا کانشنس اسکو اجازت نہیں دیتا کہ وہ محض خیالی اطمینان حاصل کرنے کی غرض سے اس سنگین جرم کا مرتکب ہو۔

جب عقل مہذب اور خیالات لطیف اور نازک ہو جاتے ہیں تو شوہر کو یہہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ جاہل عورتوں کیطرف سے کسیطرح اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا خواہ اُنکے اور مردوں کے درمیان کیسی ہی بلند اور سنگین دیواریں حائل ہوں

جب عقل مہذب اور خیالات لطیف اور نازک ہو جاتے ہیں تو مرد کو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ لذیذ چیز وہ محبت ہے جو اُس کے اور اُس جیسے دوسرے انسان کے درمیان نفسانی خواہشات سے نہیں بلکہ محض حسن اختیار اور ذوق سلیم کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ پس جہان تک ممکن ہوتا ہے وہ اُسکی حفاظت اور اُس کے مستحکم کرنے میں کوشش کرتا ہے۔

جب عقل مہذب اور خیالات لطیف اور نازک ہوتے ہیں تو مرد اور عورت دونوں صرف جسمانی اختلاط پر قناعت نہیں کرتے بلکہ وہ عقلی اور روحانی اتحاد کے مستحکم کرنے میں زیادہ تر مصروف رہتے ہیں۔

اِس زمانے کی طبیعت جس میں ہم بالفعل موجود ہیں جابرانہ خود مختاری اور غلامی کے بالکل منافی اور انسانی قوتوں کو ایک شاہراہ اور ایک مقصد کی طرف مایل کرنے والی ہے۔ یہہ ربانی الہام جس نے انسانی نفوس کو خواب غفلت سے بیدار کیا ہے عورتوں کو بھی ضرور اُس سے حصہ ملے گا۔ پس ہم پر واجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول " اتقوا اللہ فی الضعیفین المرأۃ والیتیم " پر عمل کر کے عورتوں کے لئے مساعدت کا ھاتھ بڑہائیں۔ ھمارا فرض ہے کہ ھم اُن کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ برتاو کریں اور تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے اُن کے نفوس کو درجہ کمال پر پہونچائیں تاکہ وہ اوھام اور ناجائز رغبتوں کی مدافعت کر سکیں۔ ھم کو چاہیئے کہ ھم اُن کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آئیں اور اُن پر کسی قسم کا جبر و تشدد جائز نہ رکھیں۔ کیونکہ یہہ تمام باتیں ایسی ہیں جو شریعت اور انسانیت نے ھم پر فرض کی ہیں۔ اور یہی ھمارے قومی فرائض ہیں جن کا ادا کرنا ھم پر واجب ہے، تاکہ قوم کے تمام افراد زندہ اور کام کرنیوالے اور اپنے فرائض کو ھوشیاری اور قابلیت کے ساتھ انجام دینے والے ھو جائیں۔

اِس باب کے ختم کرنے سے پیشتر میں اپنے ناظرین کو تنبیہ کرنا ضروری سمجھتا ھوں کہ جب تک ھماری عورتوں کی یہی حالت ہے میں پردہ کا ایک لخت اُٹھا دینا نہیں چاہتا کیونکہ میرے نزدیک اس انقلاب سے بے شمار خرابیاں پیدا ھونگی، اور جو غرض مقصود ہے وہ بھی حاصل نہ ہوگی، جیسا کہ ھر ایک فوری انقلاب موجب خرابی اور ناکامی ہوتا ہے بلکہ میری خواہش یہہ ہے کہ لڑکیوں کو بچپن ھی سے اس انقلاب کے لئے آمادہ اور تیار کیا جائے تاکہ وہ استقلال کی خوگر ہوں اور اُن کو اس بات کا یقین ہو کہ عفت منجملہ نفسانی ملکات کے ایک ملکہ ہے، وہ کوئی کپڑا نہیں ہے جس میں بدن کو چھپا لیا جائے۔ اور شرعی حدود

اور اخلاقی اصول کی پوری رعایت کرکے اپنے سرپرستوں کی نگرانی میں اجنبی مردوں اور رشتہ داروں کے ساتھ معاملہ کرنے کی ان کو عادت ڈالی جاوے۔ اس طرح وہ نہایت آسانی کے ساتھ مردوں سے معاملہ کرنے کی عادی ہو جائینگی اور سوائے خاص خاص حالتوں کے جن سے پردہ نشین بھی خالی نہیں رہ سکتیں کسی قسم کی خرابی پیدا نہ ہوگی،

مصر کے تمام تعلیم یافتہ اشخاص جن کو خوش قسمتی سے اپنی قوم کے حالات معلوم کرنے اور بالاستیعاب اُس کی ہر قسم کی ضروریات سے واقف ہونے کا موقع ملا ہے اُن کو معلوم ہے کہ آج مصری قوم کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے جو اُس کے گذشتہ تاریخی دوروں کی نسبت نہایت وقیع اور مہتم بالشان ہے۔

مجھکو اُس کی گذشتہ تاریخ میں کوئی الیا زمانہ معلوم نہیں ہے جو علوم و فنون کی اشاعت ہونے، قومی اور وطنی تعلقات کا شعور اور احساس پیدا ہونے، ملک کے ہر حصہ میں امن و انتظام قایم ہونے، قومی ترقی اور کامیابی کی مختلف اسباب فراہم ہونے کے لحاظ سے مثل اس زمانہ کے ہو جس میں ہم اس وقت موجود ہیں۔ لیکن اگر دوسرے پہلو سے دیکھا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ مصری قوم کی زندگی جسقدر کہ آج کل معرض خطر میں ہے ایسی کبھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس وقت مغربی قوموں کا تمدن اسٹیم اور بجلی کی مانند سرعت اور تیزی کے ساتھ ترقی کرتا جاتا ہے۔ وہ اپنے منبع سے نکلکر تمام کرہ زمین پر جہاں جہاں انسان کی آبادی پائی جاتی ہے پھیل گیا ہے اور تقریباً دنیا میں ایک انچھ زمین بھی ایسی باقی نہیں رہی جو اُس کے قدموں سے پامال نہ ہو چکی ہو۔ مغربی تمدن جس ملک میں داخل ہوتا ہے اُس کی زراعت، تجارت اور صنعت حرفت وغیرہ تمام وسائل ثروت اور ذرایع دولت پر قابض اور مسلط ہو جاتا ہے۔ اور اپنے ذاتی فوائد حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے وسائل

استعمال کرتا ہے خواہ وہ ملک کے تمام اصلی باشندوں کو سخت نقصان پہونچانے والے ہوں۔ کیونکہ وہ صرف دنیوی سعادت اور بہبودی کا خواستگار رہتا ہے، جہاں کہیں جاتا ہے اور جس طریقہ سے ممکن ہوتا ہے اُس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اکثر اوقات اپنے ان مقاصد کے حاصل کرنے میں صرف عقلی قوت کا استعمال کرتا ہے، لیکن اگر ضرورت پڑتی ہے تو سختی اور جنگی قوت سے بھی کام لیتا ہے۔ وہ اپنے وسیع ملکوں اور زرخیز نوآبادیوں کو موجب فخر و مباہات نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اُس کے عقلی کام اور علمی اختراعات اس مطلب کے لئے کافی ہیں۔ جو چیز انگریزوں کو ھندوستان میں اور فرانسیسیوں کو الجزائر میں اور روسیوں کو چین میں اور اھل جرمن کو زنجبار میں رھنے پر مجبور کرتی ہے وہ ذاتی منفعت کی محبت اور اُن ممالک سے دولت اور ثروت حاصل کرنے کی رغبت ہے جن کے خزانے قدرتی دولت سے مالامال ہو رہے ہیں اور وھاں کے باشندے اُن کی قدر و قیمت سے ناواقف ہیں۔

یورپ کے مہذب اور شایستہ باشندے جب کسی وحشی قوم کو پاتے ہیں خواہ اُسکی قوت اور سطوت کیسی ہی زبردست ہو اُس کو برباد اور ھلاک کر دیتے یا ملک سے جلاوطن کر دیتے ہیں، جیساکہ امریکہ اور اسٹریلیا میں ہو چکا ہے اور آجکل افریقہ میں ہو رہا ہے کیونکہ افریقہ کے جن حصوں میں یورپ کے باشندوں نے نزول اجلال فرمایا ہے وہاں کے اصلی باشندے بالکل ملیامیٹ کر دیئے گئے ہیں، اُن کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ اور اگر کسی ایسی قوم کو پاتے ہیں جیسے کہ ھماری قوم ہے، جس میں پہلے سے کسیقدر تہذیب اور شایستگی پائی جاتی ہے، اور جس کے پاس اپنی گذشتہ عظمت اور جبروت کی یادگار قدیم تاریخی سرمایہ موجود ہے، اور جو ایک خاص مذھب اور شریعت کا اتباع کرنے والی

اور اپنے خاص خاص اخلاق وعادات کی پابند ہے تو اہل یورپ اُنکے ساتھ اختلاط اور میل جول پیدا
کرکے اول اول نہایت فیاضی اور کشادہ دلی کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد معلوم ہو جاتا
ہے کہ ان نو وارد مہمانوں نے دولت اور ثروت کے تمام ذرائع پر قبضہ کر لیا ہے کیونکہ یہ علم، عقل، دولت اور قوت کے
لحاظ سے اُن سے بڑھکر ہوتے ہیں اور اس وجہ سے دن بدن ترقی کرتے جاتے ہیں۔
اور جسقدر وہ ترقی کرتے جاتے ہیں اُسی قدر ملک کے اصلی باشندے پستی اور تنزل کے
تاریک گڑھے میں گرتے جاتے ہیں۔ یہی وہ قانون ہے جسکو ڈاروِن (Darwin)
نے قانون التزاحم فی الحیات (Struggle for life) کے نام سے موسوم
کیا ہے۔ یہہ خدا کی فطرت ہے جسکے مطابق اُس نے تمام ذی حیات نوعوں کو پیدا کیا ہے
اور ان میں کمالات کے اعلیٰ مدارج پر ترقی کرنے کے ملکات ودیعت رکھے ہیں۔ پس جو
قوم اس دائمی کشمکش میں اپنے حریف کے مقابلہ میں سست اور کمزور ہو جاتی ہے تو اُسکی
قوت مضمحل ہو کر رفتہ رفتہ صفحہ ہستی سے اُسکا نام و نشان مٹ جاتا ہے مگر جو قوم اس
جنگ میں ثابت قدم رہتی ہے خداوند تعالیٰ اُس کو اس جہاد میں فتح دیتا ہے اور وہ میدان
جنگ سے کامیاب اور بامراد واپس جاتی ہے اور تمام نوع انسان سے افضل اور اعلیٰ
ہونے پر فخر کرتی ہے۔ ایسی قوم دنیا میں باقی رہتی اور بڑہتی اور پھولتی اور پھلتی ہے اور اُن
کمالات کا اظہار کرتی ہے جو نوع انسان کو فطرت نے عطا کئے ہیں اور اُسکے عظیم الشان اور حیرتناک
آثار صفحہ ہستی پر ابدالآباد تک باقی رہتے ہیں۔

اگر کوئی قوم تباہی اور ہلاکت سے بچنا اور صفحہ ہستی پر باقی رہنا چاہے تو اُس کا طریقہ
صرف ایک ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اور وہ یہہ ہے کہ اُسکو اس جدال و قتال کیلئے
مستعدی کے ساتھ تیار رہنا چاہئیے، اُسکو ویسی قوت بہم پہونچانا چاہئیے جیسی کہ اُس کے

حریف کو حاصل، اور ویسے ہی آلات جنگ سے مسلح ہونا چاہیئے جن سے اُس کا حریف مسلح ہے۔ خصوصاً اُس کو علمی اور عقلی قوت کی نہایت ضرورت ہے جس پر تمام ہر قسم کی قوتوں کا دار و مدار ہے۔

پس اگر قوم اُن تمام علوم میں ماہر ہو جاسے جن میں اُس کی حریف اور مزاحمت کرنے والی قومیں مہارت رکھتی ہیں اور اصول تربیت میں اُنکی پیروی کرے اور اُسی قسم کے آلات جنگ سے مسلح ہو جن سے اُسکی حریف مسلح ہے تو ایسی حالت میں ممکن ہے کہ وہ اُن مزاحمت کرنے والی قوموں کے پہلو میں زندہ رہ سکے اور ترقی اور کامیابی کے میدان میں اُن کا مقابلہ کر سکے اور اُن پر غالب ہو سکے۔

ھلاکت اور بربادی سے نجات حاصل کرنے کا یہہ رستہ ھمارے سامنے کُھلا ہوا ہے، جس پر چلنے کے لیئے ہم کو کوئی چیز روکنے والی نہیں ہے۔ مگر صرف ھماری ذاتی کمزوریاں ہیں جو ھم کو اس شاھراہ مین قدم رکھنے سے روکتی ہیں۔

پس اگر اھل مصر میں دلیری اور راستبازی موجود ہے اور دنیا میں اپنی زندگی کی حفاظت کرنے اور ھلاکت اور بربادی سے نجات حاصل کرنے کا عزم بالجزم ہے تو ان کو لازم ہے کہ وہ نہایت ھمت اور استقلال کے ساتھ اس رستہ میں قدم رکھیں، اور وہ اپنی تمام ناقص عادتوں اور نالائق خصلتوں کو دور کر دیں جو اُنکی ترقی رفتار میں حائل اور سد راہ ہیں اور اپنی نفوس کی اصلاح کرنے میں صرف اپنی ذات پر بھروسہ کریں اور موہوم اُمیدوں اور دور از کار تمناؤں میں جن کا حاصل ہونا ہم گورنمنٹ کی مہربانی پر منحصر سمجھتے ہیں اپنی اوقات ضائع نہ کریں۔ کیونکہ گورنمنٹ ھمارے لیئے جو کچھ کر سکتی ہے وہ نہایت قلیل اور حقیر اور بالکل ناکافی ہے مگر ھم بذات خود اپنے لیئے سب کچھ کر سکتے ہیں کیا ھمارا بار بار یہہ کہنا کہ گورنمنٹ اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر

رھی ھمارے لئے کچھہ مفید ہو سکتا ہے؟ کیا یہہ امر ھم کو اس بات سے مانع ہے کہ ھم اپنے فائدہ کے لئے وہ فرائض انجام دیں جنکا انجام دینا ھم پر واجب ہے؟۔

جو عدل و انصاف اور آزادی آج ھمکو حاصل ہے اُسکی مثال کسی گذشتہ زمانہ میں مصر کے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی۔ یہہ دونوں باتیں ایسی ہیں جن کی قوم کو نہایت سخت ضرورت ہوتی ہے اور جن کے بغیر قومی اصلاح کے عظیم الشان کاموں میں کامیابی نہین ہو سکتی۔ ھمکو چاہیئے کہ ھم اس مبارک موقع کو غنیمت سمجھیں۔ اور اپنی زمین کو جوتنے اور پانی سے اُسکو سیراب کرنے میں کوشش کریں اور جب پھل تیار ہو جائیں تو ان کو توڑ لیں۔ جسطرح کسان کا فرض ہے کہ وہ تخم ریزی سے پہلے زمین کی طبیعت اور اُسکی قوت کا اچھی طرح اندازہ کرے اور اُسکی درستی اور تیاری میں جن چیزوں کی ضرورت ہے اُن سے واقفیت حاصل کرے تاکہ اُس کی لاگت اور محنت برباد نہ ہو جاوے۔ اسی طرح ھم پر واجب ہے کہ ھم اپنے تنزل اور انحطاط کے اسباب پر غور کریں، اور وہ جب ھم کو معلوم ہو جائیں تو اُن کے دفعیہ کرنے کی کوشش کریں، اور آوارہ گردی اور بے راہ روی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں، اور ناکارہ اور بے نتیجہ تجربوں سے اپنے دلوں کو راحت دیں۔

قبل اسکے کہ ھم وہ بحث شروع کریں جو ھم کو اس مقام پر کرنا منظور ہے ھم ایک امر ثابت کرنا چاہتے ہیں جو اُن تمام اشخاص کو معلوم ہے جن کو کسی قدر مشرق کے حالات سے واقفیت ہے۔ اور وہ یہہ ہے کہ تمام مشرقی ممالک میں بالعموم مسلمانوں پر تنزل چھایا ہوا ہے خواہ وہ کسی ملک میں ہوں۔ پس اس عام تنزل اور انحطاط کا سبب بھی عام ہونا چاہیئے گروھوں اور اقلیموں کے اختلاف کو مسلمانوں کے عام تنزل اور انحطاط میں کچھہ زیادہ دخل معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر ان مراتب کا اثر ہوتا تو ترکوں، مصریوں، چینیوں، ایرانیوں،

اور ہندوستانیوں میں تمدن اور شائستگی کے لحاظ سے بین فرق پایا جاتا، حالانکہ ھم اس لحاظ سے اِن میں کچھہ بھی تفاوت نہیں پاتے۔ صاف اگر ان میں کچھہ اختلاف ہے تو وہ محض بعض نفسانی صفات یا بعض عادات اور رسم و رواج کے لحاظ سے اختلاف ہے۔ مثلاً ترکون میں عام طور پر صفائی اور پاکیزگی، دلیری اور راستبازی پائی جاتی ہے اور مصری اس کے بالکل برعکس ہیں۔ مگر باوجود اس اختلاف کے وہ دونون جہالت، سستی اور کاھلی، تنزل اور انحطاط کے لحاظ سے باھم متفق ہیں۔ اِس لئے ضرور ہے کہ ان دونوں میں کوئی مشترکہ علت ہوگی اور وھی اصلی سبب ہوگا جس نے ان دونوں کو ایک حالت پر پہونچا دیا ہے۔

چونکہ مذہب کے سوا کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو تمام روے زمین کے مسلمانوں میں مشترک ہو اس لئے بالعموم یورپین عالمون اور اکثر مسلمان فاضلون کی یہہ راے ہے۔ کہ مسلمانون کے عام قومی تنزل اور انحطاط کا اصلی سبب صرف اُن کا مذہب ہے۔ اس سے اُن عالموں اور خصوصاً مسلمان فاضلون کا ھرگز یہہ منشا نہیں ہے کہ حقیقی مذہب اسلام مسلمانوں کے تنزل کا باعث ہے۔ کیونکہ مسلمانوں سے قطع نظر اجنبی قوموں کے اشخاص بھی جو اسلام سے واقف ہیں وہ اُس کو نہایت عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتے اور اُس کی نہایت قدر و منزلت کرتے ہیں، اور اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ مذہب اسلام کے گذشتہ تاریخی آثار سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ وہ انسان کو ترقی اور بہبودی کے اعلی مدارج پر پہونچانے کے لئے قوی ترین اور بہترین ذریعہ ہے۔ بلکہ اُنکا مقصد یہہ ہے کہ جس چیز کو آج کل کے مسلمان دین سمجھتے ہیں، اور جس کو عام مسلمان بلکہ اکثر علماء مذہب اسلام کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اور جو ایسے بے شمار عقائد،

اخلاق و عادات پر مشتمل ہے جو سراسر بدعت ہیں اور جنکو حقیقی مذہب اسلام سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہے وہ بے شک ترقی کا مانع اور مسلمانوں کے تنزل کا اصلی سبب ہے اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ مذہب اسلام اپنے ابتدائی اصول سے بالکل بدل گیا ہے اور سوائے چند روشن خیال بزرگون کے اکثر علماء اور فقہاء اپنی خواہشات کے مطابق اُس کے ساتھ لہو و لعب اور تمسخر کر رہے ہیں اور قرآن مجید کی یہہ آیت اُن پر صادق آرہی ہے "* واتخذوا دینھم ھزواً و لعباً و غرتھم الحیوۃ الدنیا"

لیکن مجھکو یقین ہے کہ یہہ انحطاط جو مذہب پر طاری ہوا ہے مسلمانوں کے موجودہ تنزل کا باعث نہیں ہے بلکہ وہ اُس عام جہالت کا نتیجہ ہے جو بالعموم مسلمان عورتوں اور مردوں پر مسلط ہو رہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاے عظام اور صحابہ کرام آن واحد میں دینی اور دنیوی خدمات انجام دیتے تھے۔ سنت نبوی نے اس امر کی تصریح کی ہے جس پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ مذہب کا قیام ناممکن ہے جب تک کہ اسکی حفاظت کرنے کی کوئی قوت نہ ہو۔ ظہور اسلام سے ایک صدی نہ گذری تھی کہ مسلمانوں کی سلطنت کا پھریرا دنیا کے اکثر مشہور ملکون پر لہرانے لگا۔ ان عظیم الشان فتوحات سے اُن کی یہہ غرض ہرگز نہ تھی کہ مفتوح قومون کو بجبر دین اسلام میں داخل کیا جائے بلکہ وہ صرف مدافعت کی غرض سے لڑتے تھے اور اپنے ملک و سلطنت کے وسعت دینے اور صناعت و تجارت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے ممالک فتح کرتے تھے یہی وہ مقصد ہے جسکے لئے آج کل یورپین قومیں

---

* ان لوگون نے اپنے دین کو ہنسی اور کھیل بنا لیا تھا اور دنیا کی زندگی اِن کو دھوکے میں ڈالے ہوئی تھی۔

مشرقی ممالک کو تسخیر کرتی چلی جارہی ہیں۔

ظہورِ اسلام کو دو صدیاں نہ گذرنے پائی تھیں کہ تمام کرۂ زمین اُن علوم و فنون کی روشنی سے منور ہوگیا جن کی مسلمانوں نے اپنے مفتوحہ ممالک میں اشاعت کی تھی۔ انھوں نے علوم و فنون کی مختلف شاخوں میں سے کوئی شاخ ایسی نہیں چھوڑی جسکو انہوں نے نہ سیکھا ہو اور اس پر کچھ اضافہ نہ کیا ہو اور اُس میں اپنی تصنیف و تالیف نہ چھوڑی ہو۔ حتی کہ علوم و فنون کے ترقی دینے میں عربوں نے بھی حصہ لیا جنکی نسبت ابن خلدون کا یہہ قول تقریباً صحیح سمجھا جاتا ہے کہ "عربی قوم ھرگز تمدن اور شایستگی کی صلاحیت نہیں رکھتی" یہہ حرکت تمام علوم و فنون کی اُن شاخوں میں عام طور پر دیکھی جاتی تھی جو نظر اور فکر کی جولانگاہ بن سکتی ہیں اور جو انسانی ادراک سے باھر نہیں ہیں۔ علماء کی ایک جماعت علوم کلامیہ میں مصروف تھی۔ کچھ لوگ طبیعیات کی تحقیق اور چھان بین کر رہے تھے اور کچھ لوگ ہندسہ اور ہئیت کے فروغ دینے میں مشغول تھے۔ بعض علما تاریخ و جغرافیہ کی تدوین میں منہمک تھے اور بعض فلسفہ و اخلاق میں موشگافی کر رہے تھے۔ انہوں نے صنعت و حرفت اور تجارت کی ترقی دینے میں بھی کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تھی۔ قدیم زمانہ کی عالیشان اور سر بفلک عمارتیں جن کو زمانہ کے حوادث اب تک پامال نہیں کرسکے زبانِ حال سے اُن کی اعلیٰ درجہ کی صناعی اور دستکاری کو موجودہ نسلوں کے سامنے بیان کررہی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ اُن کے بے شمار جہاز اور کشتیاں تجارتی سامان سے لدی ہوئی قہار سمندروں میں کرۂ زمیں کے گرد چکر لگاتی تھیں۔ یہہ حالت بلحاظ زمانے کے کسی قدر کمی بیشی کے ساتھ اُس وقت تک باقی رہی جبکہ مسلمانوں کو تاتاریوں کی دستبرد اور لوٹ مار سے سخت اندوہناک اور ناقابل تلافی صدمہ پہونچا اور دولت عباسیہ کا خاتمہ ہوگیا۔

عربوں کی سلطنت اندلس سے نکالدی گئی اور تمام اسلامی علوم وفنون یورپ کی طرف منتقل ہو گئے اور مسلمان اپنی قدیم جاہلیت کی حالت پر عود کر گئے۔

اسوقت سے تمام مشرقی ممالک میں علوم وفنون کا چراغ گل ہو گیا اور علماء اسلام صرف علوم کلامیہ کے بعض مسائل اور عربی زبان کے قواعد کی درس وتدریس پر اکتفا کرتے رہے اور باقی تمام علوم میں غور وفکر کرنا اُنہوں نے ترک کر دیا۔

جب اُنکی عقلوں پر جہالت سوار ہو گئی اور اُسکی تاریکیوں سے اُن کے ذہن لبریز ہو چکے تو مذہب کی حقیقت کو سمجھنا اُنکی استطاعت سے باہر ہو گیا۔ ان کو معلوم ہوا کہ اُن کی کمزور عقل میں اسقدر قوت پرواز باقی نہیں رہی کہ وہ مذہب کی حقیقت پر مطلع ہو سکے اس لئے وہ مذہب کو اُس کے بلند اور اعلیٰ مرتبہ سے گرا کر اپنی جہالت کے ساتھ ایک سطح پر لے آئے اور پھر اُس میں احمقوں اور نادانوں کی طرح تصرف کرنے لگے۔ جاہل ہی بچوں کی طرح اپنے نفس کے دام فریب میں آکر اپنے علم وفضل پر نازاں ہوتا ہے، وہ خود بھی تکلیف پاتا ہے اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی تکلیف دیتا ہے۔

جاہل کو دیکھ لو وہ ہمیشہ دو خیالوں میں سے زیادہ غلط خیال اور دو طریقوں سے زیادہ سخت اور دشوار طریقہ اور دو کاموں میں سے زیادہ نقصان پہونچانیوالا کام اختیار کرتا ہی اسکی وجہ یہ ہے کہ حق باطل کے ساتھ مشتبہ ہوتا اور دیکھنے والے پر مخفی رہتا ہے۔ حق وباطل میں صرف وہی لوگ امتیاز کر سکتے ہیں جو نہایت بعید النظر دور اندیش اور انجام بینی میں کافی بصیرت رکھنے والے ہیں۔ علاوہ ازیں وہاں تک پہونچنے میں تکلیف اُٹھانے کی ضرورت پڑتی ہے جس سے کسلمند جاہل بہت دور بھاگتے ہیں۔

آج کل ہمارے علما کی یہ رائے ہے کہ عالم کے حالات سے واقفیت حاصل

کرنا اور عقلی علوم اور دنیوی کاروبار میں مصروف ہونا بالکل فضول ہے۔ اب اُنکا انتہائی علم یہہ رہ گیا ہے کہ وہ بلا مبالغہ بسم اللہ کے اعراب کم از کم ایک ہزار طرح پر جانتے ہوں۔ اگر اُن سے کسی معمولی چیز کی نسبت پوچھو جو ہمیشہ اُن کے استعمال میں رہتی ہے کہ وہ کس طرح بنائی گئی، یا اُس قوم کی حالت دریافت کرو جس کے وہ ممبر ہیں، یا اُس قوم کی بابت استفسار کرو جو اُن کی ہمسایہ ہے یا اُن کے ملک میں وارد ہوئی ہے کہ وہ کس ملک کی رہنے والی اور قوت و ضعف کے لحاظ سے کس درجہ میں ہے، بلکہ اگر اُن سے اُن کے کسی عضو کی نسبت سوال کرو کہ اُس کا کون مقام ہے اور وہ کیا فعل کرتا ہے تو ایسے سائل اور اس قسم کے سوالات کی نسبت نہایت سخت حقارت اور نفرت کا اظہار کرینگے۔ اور اگر اُن کے ساتھ اُنکی گورنمنٹ کے اندرونی انتظام اور اُس کے قوانین اور اُسکی سیاسی اور مالی حالت کی نسبت گفتگو کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ اِس کوچہ سے بھی محض نابلد ہیں۔ خواہ عزت کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہوں یا ذلت کی حالت میں مگر بہر حال وہ پستی اور دنائت پر قانع اور راضی ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ آدمی کو مناسب نہیں کہ اپنی بہتری کے لئے کام کرنے کی تکلیف گوارا کرے۔ وہ اپنے زعم باطل میں یہہ سمجھتے ہین کہ اُنہوں نے اپنے تمام کاروبار تقدیر کو سونپ دلئے ہیں حالانکہ وہ ناجائز ذریعہ سے رزق کے طلب کرنے اور دولت کے جمع کرنے اور اپنے خیال کے مطابق شرف عزت حاصل کرنے کے لئے حیلہ اور تدبیر کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے یہہ ہی وجہ ہے کہ اُن کا باہمی بغض و حسد بطور ضرب المثل کے مشہور ہو گیا ہے۔ درحقیقت وہ کام کرنے کی مشقت سے جی چراتے ہیں اور صرف عام لوگوں کو گمراہ کرنے اور سادہ لوحوں کے فریب دینے کے لئے قضا و قدر کا حیلہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے شرعی فرائض کے ادا کرنے میں تقدیر کے ہاتھ سے لاچار ہیں۔

ان غریبوں نے یہہ خیال کر رکھا ہے کہ جب صرف و نحو کے معمولی قواعد ازبر ہو جاتے ہیں اور صحیح عبارت پڑہنا آجاتی ہے تو وہ دین و دنیا کے علوم میں پورے فاضل ہو جاتے ہیں حالانکہ ان میں اور حقیقی مذہب اسلام میں بہت بُعد ہے۔

ہمارے استاد فاضل شیخ محمد عبدہ المصری نے اپنی جدید تصنیف رسالۃ التوحید میں اسلام کی نسبت ایک نہایت عمدہ عبارت ذکر کی ہے جس کو ہم اس مقام پر نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ کیونکہ آج کل مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لئے جسقدر لکہا گیا ہے استاد ممدوح کی تحریر سب سے زیادہ عمدہ اور مفید ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ۔

"اسلام نے حکم دیا کہ ہر شخص جو کام کرسکتا ہو وہ کرے مگر وہ اُس کے نفع نقصان کا ذمہ دار ہے جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے کہ "جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہو گی وہ اُس کو دیکھ لیگا اور جس نے ذرہ بہر برائی کی ہو گی وہ اُسکو دیکھ لیگا" اور یہہ کہ "انسان کو اُتنا ہی ملیگا جتنی اُس نے کوشش کی۔" اور ہر شخص کو اجازت دی کہ

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ
لیس للانسان ما سعی

وہ پاکیزہ اور ستھری چیزوں میں سے جو چاہے کہائے اور پہنے، اور صرف وہی چیزیں حرام کیں جو اُس کی ذات کے لئے مضر تھیں یا انکا ضرر متعدی تہا۔ اور اسکے لئے حدود مقرر کیں جو تمام انسانی مصلحتوں پر پوری طرح منطبق ہیں۔ غرضکہ ہر شخص کو اپنے کام میں مستقل اور مختار کردیا جس سے اولوالعزم ہمتوں کے لئے کوشش کرنیکا میدان وسیع ہو گیا۔

آبائی تقلید کے لشکر جو انسانی نفوس پر غالب ہو رہے تھے، اسلام نے اُن پر ایک سخت حملہ کرکے اُن کو شکست دی اور تقلید کے اُصول جو خیالات میں راسخ ہو گئے تھے اُن کو جڑ سے اُوکھاڑ کر پھینکدیا۔ اُس نے عقل کو للکارا اور خواب غفلت سے جگایا اور

بلند آواز سے پکارا کہ انسان اسلئے نہیں پیدا کیا گیا کہ وہ اونٹ کی طرح مہار پکڑ کر کھینچا جاوے،
بلکہ اُس کی فطرت میں اس بات کی قابلیت اور استعداد رکھی گئی ہے کہ وہ علم کے ذریعہ سے
ھدایت حاصل کرے اور واقعات اور حادثات کے اسباب اور دلائل کا سُراغ لگائے
(معلم صرف رھنمائی کرنے والے اور بحث و جستجو کا طریقہ بتانیوالے ہیں) اُس لئے اہل حق کی
تعریف اس طرح کی "الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ" یعنی "وہ لوگ جو باتوں
کو سنتے ہیں اور اُن میں سے اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں" ۔ اس آیت میں اھل حق کا
یہہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہنے والوں کو نہیں دیکھتے بلکہ اُن کے اقوال کو دیکھتے
ہیں۔ اچھی باتوں کو لے لیتے ہیں غلط اور بیکار باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

آبائی خیالات اور آبائی عقائد جو اولاد میں منتقل ہوتے ہیں اسلام نے اُنکی تردید کی اور
جو لوگ پُرانی لکیر کے فقیر اور اپنے آبا و اجداد کی رسوم کی پابند ہیں، اُن کی سفاہت اور حماقت
کو تصریح کے ساتھ بیان کیا اور ظاھر کیا کہ پہلے زمانہ میں ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ علم و
عقل میں زیادہ تھے، یا پچھلے زمانہ والوں کے ذھن اور عقلیں موجودہ زمانہ والوں کے ذھنوں اور
عقلوں سے زیادہ تہیں، بلکہ تمیز اور فطرت کے لحاظ سے پچھلے اور اگلے سب برابر ہیں بلکہ اکثر پچھلے
لوگ گذشتہ زمانہ کے حادثات اور واقعات سے واقف ہو کر زیادہ تجربہ کار اور باخبر ہو جاتے
ہیں۔ گذشتہ زمانہ کے لوگوں کو اُنکی نافرمانیوں اور بداعمالیوں سے جو ناگوار نتایج بھگتنے پڑے
ہیں اُن سے بہی موجودہ زمانہ کے لوگ فائدہ اُٹھاتے اور عبرت پکڑتے ہیں۔ "قل سیروا
فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین" یعنی "اے پیغمبر ان لوگوں
سے کہو کہ ملک میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ پیغمبروں کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا"۔
اسلام نے آباو اجداد کی پیروی اور تقلید کرنے پر ارباب مذاہب کی مذمت کی جن کا قول یہہ تھا

"انا وجدنا آباءنا علی امة وانا علی آثارھم مھتدون - بل نتبع ما وجدنا علیہ اباءنا" یعنی ہم نے اپنے باپ داداؤں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور انہیں کے قدم بقدم ہم بھی ٹھیک رستے پر چلے جا رہے ہیں"۔ اس سے شہنشاہ عقل کو ہر قسم کی قید اور تقلید سے آزاد کر دیا اور اُس کو پھر اپنی سلطنت کا مالک و مختار بنا دیا کہ وہ اپنی حکمت کے موافق جس طرح چاہے حکم کرے"۔

نہایت خوشی کا مقام ہے کہ مصر و دیگر مشرقی و مغربی بلاد اسلام کے علمار کی وہی رائے ہے جو ہم نے ظاہر کی ہے۔ وہ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ اُن علوم کی تدریس سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا جو آج کل ازھر وغیرہ میں پڑھائے جاتے ہیں تاوقتیکہ اُن کی بنیاد اُن علمی حقائق پر نہ رکھی جائے جو عقل کو اُن علوم کے قبول کرنے اور اُن سے فائدہ اُٹھانے کے لئے آمادہ اور تیار کرتے ہیں۔

درحقیقت علوم توحید اور فقہ سے فائدہ اُٹھانا ممکن نہیں جب تک کہ عام معلومات اور علمی اصول میں کسیقدر واقفیت نہو۔ کیا علم توحید تمام علوم کا خاتمہ اور انکا خلاصہ نہیں ہے؟ کیا علم فقہ ایسے قوانین کا مجموعہ نہیں ہے جس سے ہر شخص کو اپنے خالق کے ساتھ ارتباط اور دیگر اشخاص کے ساتھ معاملات میں ھدایت اور رھنمائی حاصل ہوتی ہے؟ اور یہہ دونوں باتیں تشریح جسم اور افعال الاعضا اور علم النفس، تاریخ اور طبیعات وغیرہ پر منحصر ہیں جن سے خیالات بلند اور عقل روشن ہوتی ہے۔ کیا علم درحقیقت اُس ایک درخت کی مانند نہیں ہے، جس کی بے شمار شاخیں ہوں جو ایک جڑ سے اپنی غذا حاصل کرتی اور ایک سا پھل دیتی ہوں؟

ہمارا فرض ہے کہ ہم اُن علمار اور فضلار کی آرار پر مطلع ہوں اور اُن کی ھدایتوں کو سنیں

کیونکہ وہ مذھبی ضروریات کو ھم سے زیادہ جانتے ہیں اور دنیوی ضرورتوں میں سے بھی
کوئی چیز ان پر مخفی نہیں ہے۔ ھم کو چاہیئے کہ ھم ان کی مفید اور کار آمد تجویزوں کی تائید
کریں تاکہ مذہب اپنی گہری اور لمبی نیند سے بیدار ہو اور اُن تمام دشوار گذار گھاٹیوں کو عبور
کر جائے اور اُن تمام مشکلات کو طے کر جائے جو اُس کے پیروؤں نے اُس کی راہ میں
پیدا کر دی ہیں۔

ھم کو ایسی بات کی توضیح اور تشریح کے لئے اطناب اور تطویل کی ضرورت نہیں ہے
جو سب کو معلوم ہو چکی ہے، اور وہ مذہب کا انحطاط ہے بلحاظ اُسکے تمام مظاھر کے
حتیٰ کہ عبادات کے لحاظ سے بھی۔ بلکہ ھم اس مقام پر یہہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ مذہب
کا انحطاط عقلوں کے تنزل اور انحطاط کے تابع ہوتا ہے، اور یہہ کہ ابتدائی اور اصلی سبب
جو ان تمام بیشمار اسباب کا علت العلل ہے جو ھماری ترقی کی راہ میں حائل ہیں وہ عورتوں
اور مردوں کی تربیت کا ترک کر دینا ہے۔

اگر بدقسمتی سے یہہ سبب بدستور باقی رہا تو قوم کی حالت کسی طرح قیامت تک بھی
نہیں سدھریگی بلکہ اُسکے تنزل اور رو تارت کی تمام حالتیں بدستور باقی رہیں گی، اور مذہب
بھی اپنی موجودہ حالت پر قایم رہیگا۔ اور اگر یہہ سبب زائل ہو گیا تو قوم کی تمام حالتیں بلحاظ
عقلی اور اخلاقی زندگی کے سدھر جائیں گی، اور اُسکے ساتھ مذہب کی بھی اصلاح
ہو جائے گی۔

یہہ امر کہ مردوں کی تربیت سے قوم کی حالت سدھرتی اور اُسکے عیوب اور نقائص
کی اصلاح ہوتی ہے سب کو معلوم ہو چکا ہے اور سب کے نزدیک مسلم ہے، مگر
عورتوں کی تربیت کی ضرورت ثابت کرنیکے لئے مزید توضیح کی ضرورت ہے۔

ظاھر ہے کہ عورت اُسی وقت انسان کامل بن سکتی ہے جبکہ اُس کی جسمانی اور عقلی تربیت مکمل طور پر کی جاے۔ جسمانی تربیت اس لئے لازمی ہے کہ اُسکے بغیر حفظ صحت اور حفظ جمال ناممکن ہے۔ پس ضرور ہے کہ جسطرح مردوں کو ورزش اور حرکت اور ریاضت کے ذریعہ سے جسمانی تربیت دی جاتی ہے اسیطرح عورتوں کو بھی دیجاے۔ کیونکہ جن لوگوں کے جسم کمزور ہوتے ہیں اُنکی عقلیں بھی کمزور ہوتی ہیں اور نیز اس لئے کہ عورتوں کو جو اکثر اعصابی یا دماغی امراض عارض ہوتے ہیں اُنکی وجہ یہی ہے کہ اُنکے اعضاے جسم کے افعال غیر منتظم اور مختل ہوتے ہیں۔

پس تمام حالات کے لحاظ سے عقل کی صحت و سلامتی جسم کی صحت اور تندرستی پر موقوف ہے۔ اور یورپ کی دیگر اقوام سے انگریزی قوم کی ترقی اور افضلیت کا اصلی بھید یہی ہے۔

میرے معزز اور محترم دوست احمد فتحی زغلول بک نے جو کتاب حال ہین فرانسیسی زبان سے عربی میں ترجمہ کی ہے اُس کے پڑھنے والوں کو معلوم ہوگا کہ انگریزوں کی ہمت اور جرأت، نشاط اور اُمنگ، اولوالعزمی اور دور اندیشی اور نیز دہ تمام صفات جن میں اُن کے ممتاز اور افضل ہونے کا تمام قومیں اعتراف کرتی ہیں کرکٹ اور فٹ بال کھیلنے، گھوڑے پر سوار ہونے اور پانی میں تیرنے کا نتیجہ ہے۔ اور کاموں میں آزادی اور خود مختاری کو اُن کے بچوں کی تربیت میں بہت بڑا دخل ہے خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ یہی وجہ ہے کہ فرانسیسیوں اور دیگر قوموں نے اُنکی تقلید شروع کردی ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے سمجھ لیا ہے کہ عقلی تربیت محض بے نتیجہ ہے جب تک کہ اُسکے ساتھ جسمانی تربیت نہ دی جاے اور نیز جب تک اعضاے جسم کے افعال ایک منتظم حالت پر قایم نہ ہونگے اُسوقت تک عقل کا نتیجہ

اور سلیم ہونا ممکن نہیں ہے - غالباً ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ بچہ اپنے ماں باپ سے اور خصوصاً اپنی ماں سے جسمانی اور عقلی حالت (جو حمل کے وقت ہوتی ہے) بطور وراثت کے حاصل کرتا ہے - پس وہ حضرات خیال فرما سکتے ہیں کہ عورتوں کی جسمانی صحت اور تندرستی سے عورتوں اور مردوں اور سوسئیٹی اور قوم کو کسقدر فوائد پہونچ سکتے ہیں -

عقلی تربیت اسلئے لازمی ہے کہ بغیر اُس کے عورت کی کچھ بھی قدر و قیمت نہیں ہو سکتی جیسا کہ بالعموم ہماری قوم کی عورتوں کی حالت دیکھی جاتی ہے - بیشک وہ جنتی ہیں اور نوع انسان کو فنا ہونے سے محفوظ رکھتی ہیں - لیکن اس صورت میں وہ صرف عورت کا ایک ایسا فرض ادا کرتی ہیں جس میں تمام انواع حیوانات کی مادائیں اُن کی شریک ہیں - غرضکہ وہ بلحاظ اپنے اس عمل کے جننے والی کتیوں اور بلّیوں اور گایوں اور بھینسوں سے کچھ زیادہ ممتاز اور قابل وقعت نہیں ہو سکتیں -

درحقیقت ہمنے عورت کے فرائض کے وسیع دائرہ کو نہایت ہی تنگ اور محدود کر دیا ہے اور اُس کو صرف بچے جننے کے لئے مخصوص کر دیا ہے - اسکے سوا کوئی کام اُس سے نہیں لیا جاتا - اِسکی وجہ یہہ ہے کہ ہم کو یہہ غلط خیال پیدا ہو گیا ہے کہ عورت میں دوسرے کاموں کی صلاحیت نہیں اور یہہ کہ مردوں کو اپنی زندگی کے پبلک اور پرائیوٹ کاروبار میں عورتوں کی مدد کی ضرورت نہیں - اور یہہ دقیق راز ہماری نظروں سے مخفی رہا ہے کہ مرد جوان ہو کر ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ بچپن میں اُنکی مائیں ان کو تیار کرتی ہیں -

پس یہہ کامل ارتباط جو ہر ایک مرد کو اپنی ماں کے ساتھ ہوتا ہے نہایت ہی اہم اور قابل غور ہے - میں چاہتا ہوں کہ لوگ اِس کو اچھی طرح سمجھ جائیں اور اُن تمام مباحث

کا جو میں نے اِس کتاب میں درج کی ہیں صرف یہی نتیجہ ہے۔

میں مکرر کہتا ہوں کہ ہماری قوم میں کامیاب جوان مردوں کا پیدا ہونا ناممکن ہے تاوقتیکہ اُنکی مائیں اُن کو جوانمرد اور کامیاب بنانے کی قدرت اور صلاحیت نہ رکھتی ہوں۔ یہی وہ عظیم الشان فرض ہے جو موجودہ زمانے کے تمدن نے عورتوں کے ذمہ ڈالا ہے اور وہ تمام مہذب اور شائستہ ممالک میں اس گرانبار فرض کو نہایت خوبی اور قابلیت کے ساتھ ادا کر رہی ہیں جہانتک وہ اول بچے جنتی ہیں اور پھر اُن کو جوانمرد بناتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ پہلا کام یعنی بچوں کا جننا بالکل بسیط اور سیدھا سادہ کام ہے جس میں تمام حیوانات کی مادائیں اُن کی شریک ہیں۔ اس کام کے لئے سوائے جسمانی صحت اور تندرستی کے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ مگر دوسرا کام یعنی بچوں کو تربیت کرنا اور اُن کو جوانمرد بنانا یہ کام محض عقلی ہے جو صرف نوع انسان کے لئے مخصوص ہے اور جس کے انجام دینے کے واسطے ایک وسیع تجربہ اور مستحکم تربیت اور مختلف علوم و فنون کی ضرورت ہے۔

نہایت مہتم بالشان امر جسکی طرف ان تمام قوموں کو جو اپنی مصلحتوں سے دم بھر بھی غافل نہیں ہوتیں کامل توجہ اور پورا التفات کرنا چاہیئے وہ خاندانوں اور گھرانوں کا نظام ہے جن سے قوم کا جسم مرکب ہوتا ہے، کیونکہ قوم کی بنیاد خاندان پر ہوتی ہے۔ اور چونکہ عورت خاندان کی بنیاد ہے اسلئے مرتبۂ عقل کے لحاظ سے اُس کی ترقی اور تنزل قوم کی ترقی اور تنزل میں زیادہ مؤثر ہوگا۔

عورت درحقیقت خاندان کی میزان ہے جس سے اُس خاندان کی ترقی اور تنزل کی حالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پس اگر وہ پستی اور انحطاط کی حالت میں ہوگی تو اُس کا شوہر اور اُس کی تمام اولاد اور خاندان کے تمام ممبر اُس کو حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھیں گے

اور وہ سب کے سب خود سری اور خودرای کی حالت میں زندگی بسر کرینگے ان کے درمیان میں کوئی چیز ربط دینے والی اور ان سب کو ایک سلسلہ میں مسلسل کرنے والی نہ ہوگی اور نہ اُس خاندان میں کوئی انتظام اور تربیت ہوگی۔ ان وجوہ سے اُن کے اخلاق وعادات فاسد ہوجاوینگے۔ لیکن اگر عورت ذی عقل اور شایستہ ہوگی تو تمام خاندان کے ممبروں کے دلوں میں اُسکی محبت اور عزت ہوگی۔ وہ خود بھی اپنی عزت کریگی اور سب کے سب اُسکی محبت کے زیر سایہ باھمی اتفاق واتحاد کے ساتھ زندگی بسر کرینگے۔ اور یہی صفات جو خاندان میں دیکھی جاتی ہیں عام طور پر تمام قوم میں دیکھی جائینگی کیونکہ قوم کا ھر ایک ممبر دوسروں کے ساتھ ویساہی برتاؤ کریگا جیسا کہ اُس کا برتاؤ اپنے خاندان میں ہوگا۔ یہہ ناممکن ہے کہ انسان اپنی قوم میں ایسی صفات اور اخلاق کا اظہار کرے جسکا نمونہ اُسکے خاندان میں موجود نہ ہو اور یہہ کہ جن اخلاق سے وہ اپنے خاندان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے اُنکے خلاف اپنے ھم وطنوں کے ساتھ معاملہ کرے۔ پس اگر وہ اپنے خاندان کے ساتھ خوش اخلاق ہوگا تو قوم کے ساتھ بھی خوش اخلاق ہوگا اور اگر وہ اپنے خاندان کے ساتھ بداخلاق ہوگا تو قوم کے ساتھ بھی ویساھی ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوموں کی ترقی اور تنزل میں عورتوں کو کسقدر دخل ہے۔

غرضکہ قوموں کی ترقی مختلف اسباب پر منحصر ہے جن میں سب سے زیادہ اھم عورت کی ترقی ہے۔ اسیطرح قوموں کا تنزل اور انحطاط مختلف اسباب پر موقوف ہے جن میں سب سے اھم عورت کا انحطاط ہے۔

پس یہہ تنزل اور انحطاط جو ھماری قوم میں عورتوں پر طاری ہے ھماری ترقی اور فلاح وبہبودی میں سب سے بڑا مانع ہے۔ اور اس لحاظ سے عورتوں کی تربیت ھماری قوم

کے لئے نہایت ضروری اور لازمی اور لابدی ہے۔ اکثر حضرات لڑکوں کی تربیت کے فوائد بیان کرنے میں بڑی فصاحت و بلاغت خرچ کرتے ہیں اور لڑکیوں کی تربیت سے اس کو مقدم سمجھتے ہیں حالانکہ اُن کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ لڑکیوں کی تربیت کا مرتبہ سب سے مقدم ہے اور وہ سب سے زیادہ ضروری ہے اور وہ ایک ایسا مہتم بالشان فرض ہے کہ اگر ہم اُس کو انجام دینگے تو قومی اصلاح کے متعلق تمام کام ہمارے لئے آسان ہو جائیں گے اور اگر ہم اُس کو چھوڑ دینگے تو ہماری تمام اصلاحیں فاسد ہو جائینگی۔

جدید تربیت جو تقریباً ایک صدی سے یورپ کی عورتوں کو دی جارہی ہے اُس نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت ایسی بسیط اور سرسری چیز نہیں ہے جیسا کہ اسلاف نے خیال کیا تھا اور صرف تناسل اور بچہ کشی کے لئے اُس کو وقف کر رکھا تھا۔ جب قوت اور غلامی کے رخصت ہونے کے بعد عقل اور آزادی کا زمانہ آیا تو دنیا کو معلوم ہو گیا کہ عورت میں ایسے مخفی اسرار ہیں جنکا انکشاف قدیم جاہلیت کے زمانہ میں نہیں ہوا تھا، اور وہ اُن تمام عظیم الشان کاموں کے انجام دینے کی استعداد اور صلاحیت رکھتی ہے جن کو مرد انجام دے سکتے ہیں، اور یہ کہ اُس کا موجودہ انحطاط طبعی نہیں تھا بلکہ محض ایک عارضی امر تھا۔ پس جبکہ وہ اپنی خواب غفلت سے بیدار ہوئی اور اُس کی عقل میں روشنی اور اخلاقی ملکات میں پختگی پیدا ہوئی اور اُس کا نفس علم اور فکر کے ساتھ آراستہ اور اُس کی قوتیں مختلف کاروبار انجام دینے کی عادی اور خوگر ہو گئیں تو عقل کی متانت اور شعور و احساس کی نزاکت کے لحاظ سے اُس اعلیٰ درجہ پر پہونچ گئی جو گذشتہ زمانہ کے لوگوں کے خواب و خیال میں نہیں آیا تھا۔ اور اب اُس کو جسقدر آزادی ملتی جاتی ہے اُسی قدر وہ اعلیٰ مدارج پر ترقی کرتی جاتی ہے۔

جولوگ مغربی عورتوں کے کاموں سے جن کو وہ انجام دے رہی ہیں واقف ہیں وہ بلاشک وشبہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ایسے عظیم الشان کام انجام دے رہی ہیں جن کے بغیر مغربی تمدن کا قیام ناممکن ہے۔ علوم، فنون، تجارت اور صنعت وحرفت کی تمام شاخوں میں کوئی شاخ ایسی نہیں پائی جاتی جس میں عورتیں مردوں کے پہلو بہ پہلو کام نہ کرتی ہوں۔ رفاہ عام کے کاموں میں کوئی کام ایسا نہیں دیکھا جاتا جس میں عورتوں نے سب سے پہلے کوشش نہ کی ہو۔ کوئی پولٹیکل حادثہ ایسا نہیں سنا جاتا جس میں کسی عورت نے نمایاں حصہ نہ لیا ہو۔ دونوں جنسوں میں صرف یہی فرق ہے کہ عورتوں کو اب تک پولٹیکل حقوق حاصل نہیں ہوئے پس جبکہ اُنکو پولٹیکل حقوق حاصل ہوجا ئینگے جیسا کہ ممالک یورپ میں اُمید کی جاتی ہے تو دونوں میں پوری پوری مساوات ہوجاویگی۔ مگر اسوقت تک بھی ان کو بہت سے پولٹیکل حقوق حاصل ہوچکے ہیں۔ امریکہ اور انگلستان میں اِن کو لوکل بورڈ میں ممبر منتخب ہونے کا حق حاصل ہے۔ اور فرانس میں وہ تجارتی محکموں کی ممبر مقرر کی جاتی ہیں اور اضلاع متحدہ امریکہ کے بعض ممالک میں عورتیں پارلیمنٹ میں اجلاس کرتی ہیں۔ یورپ کا کوئی مشہور اور صدر مقام ایسا نہیں ہے جہاں عورتوں کی کوئی انجمن نہ ہو اور اپنے حقوق کے طلب کرنے اور اُن کے حاصل کرنے کی کوشش نہ ہو رہی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ اُن کو ہر سال ایک جدید کامیابی ہوتی ہے اور اُنکے کاموں کا نمایاں اثر صفحاتِ تاریخ پر لکھا جاتا ہے۔

جولوگ موجودہ ترقی کی رفتار سے واقف ہیں جس میں اس کمزور اور نازک مخلوق نے ایک عجیب وغریب قوت کا اظہار کیا ہے اِن کو معلوم ہے کہ عورتیں عنقریب اپنے تمام مطالب کے حاصل کرنے میں کامیاب ہونگی اور تمام حقوق کے لحاظ سے مردوں کی برابر

ہوجائینگی۔ اور اُسکے بعد خدا ہی جانتا ہے کہ کیا ہوگا، آیا عورتیں ترقی اور کامیابی کے میدان میں مردوں سے آگے بڑھ جائینگی یا نہیں۔

ظاہر ہے کہ وہ قوتیں جو عورتیں تجارت اور صنعت اور علوم و فنون میں صرف کرتی ہیں ان میں ہر ایک قوت کا اثر قومی حالات پر نظر کرنے والوں کو اچھی طرح محسوس نہیں ہوتا لیکن ان تمام قوتوں کا اثر مجموعی طور پر پوری طرح ظاہر ہوتا ہے جو ایک عظیم الشان راس المال ہے جس کی طرف توجہ کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں ہم کوتاہی کرتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ ہمارے ممالک کا عورتوں کے رفاہ عام و بہبود انام کے کاروبار سے محروم ہونا نہایت ہی قابل افسوس امر ہے۔ کیونکہ امور خیر بطرف عورت کا میدان فطری ہے وہ فقیروں اور مریضوں کی خدمت گذاری نہایت صبر اور استقلال کے ساتھ کرسکتی ہے جو بڑے بڑے جوانمردوں سے بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ تمام صفات بالعموم عورتوں میں پائی جاتی ہیں۔ مگر جاہل عورتوں کا خیال ان کو امور خیر اور رفاہ عام کے کاموں کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا اور وہ مہربانی اور رحم اور شفقت کے خزانوں کو جو ان کے دلوں میں مدفون ہیں نہایت حقیر اور چھوٹے چھوٹے کاموں میں صرف کرتی ہیں۔

آج کل ترقی یافتہ قوموں میں عورتیں جو عظیم الشان کام انجام دے رہی ہیں اُنکی طرف ہم اشارہ کرچکے ہیں۔ صدر اسلام میں بھی بہت سی ایسی عورتیں پائی جاتی ہیں جن کو مسلمانوں کی عام مصلحتوں اور پبلک کاموں میں بہت کچھ دخل تھا۔ تمام مسلمان جانتے ہیں کہ مختلف مسائل کے متعلق بے شمار حدیثیں حضرت عائشہ صدیقہ اور ام سلمہ وغیرہ ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کی بی بیوں سے روایت کی گئی ہیں۔ اور بہت عورتیں علمی خدمات اور جودت شعر کے لحاظ سے مشہور اور نامور ہوئی ہیں۔ - - - - - - -

ام عطیہ سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ فرماتی ہین کہ "میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائیوں میں سات مرتبہ شریک ہوئی ہوں میں لشکر کے قیام گاہ میں رہتی تھی اُن کے لئے کھانا پکاتی، مجروحون کی دوا دارو کرتی اور مریضوں کی خدمت کرتی تھی"

جو لوگ ان سطور کو پڑھیں گے غالباً اُن کو یہہ خیال پیدا ہوگا کہ وہ ان یورپین عورتون میں سے کسی عورت کو دیکھہ رہے ہیں جنہوں نے مجروحین جنگ کی دوا دارو کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔

جن باتوں میں ہماری شریعت نے مردوں کو عورتوں پر ترجیح دی ہے مثلاً خلافت، امامت اور شہادت ان میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو عورت کی پرائیوٹ لائف اور آزادی سے تعلق رکھتی ہو۔ ان قلیل مسائل میں جن میں مردوں کو امتیاز دیا گیا ہے شارع کی صرف یہہ مصلحت ہے کہ عورت اپنے خانگی فرائض کی حد سے آگے نہ بڑھے اور عام کاروبار صرف مردوں کے ساتھہ مخصوص رہیں۔ اور یہہ ایک طبعی تقسیم ہے جس کے مطابق یورپین تمدن اس وقت تک عملدرآمد کر رہا ہے۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو عورت کے ترقی کرنے اور اپنے استحقاق کے اعلیٰ مرتبہ تک پہونچنے سے مانع ہو۔ جو عظیم الشان حقوق اسلامی شریعت نے عورتون کو عطا کئے ہیں اُن کی اصلی غرض معلوم کر لینے کے بعد کوئی عقلمند شخص ہمارے اُس رسم و رواج کو پسندیدگی اور استحسان کی نظر سے نہیں دیکھہ سکتا جس نے عورتوں کو ان حقوق کے استعمال سے محروم کر رکھا ہے۔

ہمارے ناظرین جنہون نے اُن کلیہ قواعد کے سلسلہ کو غور اور خوض کے ساتھہ ترتیب وار مطالعہ کیا ہے جو ہم نے نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھہ بیان کئے ہیں اُنھون نے خیال کیا ہوگا کہ اُن کا خلاصہ صرف ایک مختصر سی عبارت میں بیان کیا جا سکتا ہے

اور وہ یہ ہے کسی قوم کی حالت سدھرنے کیلئے عورت کیحالت کا سدھرنا نہایت ضروری اور لابدی ہے۔ اور جبکہ کوئی دیکھنے والا اپنی فکر کی باگ ڈھیلی کردے تاکہ وہ اس وسیع موضوع اور اُس کے متعلق مسائل پر محیط ہوجاوے تو اُسکی حقیقت ظاہر ہوجاویگی اور اپنے تمام مخفی اسرار کو ظاھر کردیگی اور وہ ایک ایسی صورت دیکھے گا جو اُس خیال کے مشابہ نہیں ہے جس کو وہ جسم سمجھتا تھا۔

خانہ داری

عورتوں کے حال کی اصلاح کرنے کے لئے صرف تربیت ھی کافی نہیں ہے، بلکہ اسکے واسطے نظام خاندان کی تکمیل بھی منجملہ ضروریات کے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عورت کے خیالات کا بلند ہوجانا، اُسکی عقلی قوتوں کا ترقی کرجانا نظام خاندان کی تکمیل میں مدد دیتا ہے لیکن خود اس نظام کو باوجود اُسکے قومی رسم ورواج اور شرعی احکام کے ساتھ مربوط ہونے کے عورت کی ترقی اور اُسکے تنزل میں بہت بڑا دخل ہے۔ لہذا میں نے اُن ضروری اور اھم مسائل کی طرف ناظرین کو توجہ دلانا ضروری سمجھا جو خانہ داری کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں یعنی نکاح، تعدد زوجات، اور طلاق۔ ان مسائل پر اختصار کے ساتھ اسی ترتیب سے میں بحث کرونگا۔

نکاح

میں نے فقہا کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ وہ نکاح کی تعریف اسطرح کرتے ہیں کہ " وہ ایک عقد ہے جسکے ذریعہ سے مرد عورت کی شرمگاہ کا مالک ہوجاتا ہے " اس تعریف میں جو فقہا نے کی ہے ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہو کہ شوھر اور زوجہ کے درمیان سوائے نفسانی خواھشات اور شہوانی جذبات

کے پورا کرنے کے کوئی اور بھی تعلق ہے۔ اس تعریف کے تمام الفاظ اُن اخلاقی فرائض کی طرف اشارہ کرنے سے قاصر ہیں جو دو مہذب اور شائستہ شخصوں کو ایک دوسرے سے مطلوب ہوتے ہیں۔ میں نے قرآن مجید میں ایک آیت دیکھی ہے جو نکاح پر پوری طرح منطبق ہو سکتی اور اُس کی اصلی اور واقعی تعریف ہو سکتی ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ

"ومن ایاتہٖ ان خلق لکم	اُس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ
من انفسکم ازواجاً لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ"	اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بی بیاں پیدا کیں تاکہ تمہیں اُن سے راحت ملے اور تمہارے درمیان پیار اور اخلاص پیدا کیا"، جو لوگ پہلی تعریف کو جو فقہا نے

تصنیف فرمائی ہے دوسری تعریف کے ساتھ جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے مقابلہ کرینگے ان کو خود بخود معلوم ہو جائیگا کہ ہمارے فقہا کی رائے میں عورت کا تنزل اور انحطاط کس درجہ تک پہونچ گیا ہے اور انھیں کے ذریعہ سے یہ خیال عام مسلمانوں میں سرایت کر گیا ہے۔ اور اس قبیح اصول پر اُنھوں نے جس قدر فروعی احکام مرتب کئے ہیں اُن کی نسبت زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

پس یہ خوشنما نظام جس کو خداوند تعالیٰ نے زوجین کے درمیان باہمی پیار اور اخلاص کا ذریعہ ٹھیرایا ہے ہمارے علمائے کرام کی بدولت اُسکا یہ حشر ہو گیا ہے کہ وہ مرد کے لئے صرف نفسانی خواہشات کے پورا کرنیکا ایک ذریعہ گنا جاتا ہے۔ جو باتیں رشتۂ زوجیت کو تقویت دینے والی اور باہمی پیار و اخلاص کو بڑھانے والی ہیں ان کو بالکل ترک کر دیا جاتا ہے اور جو باتیں آپس کی محبت اور باہمی پیار و اخلاص میں خلل انداز ہیں اُنکی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کی جاتی ہے۔

باہمی محبت واخلاص کے قایم رہنے کا ایک یہہ بھی ذریعہ ہے کہ جب تک طرفین کو ایک دوسرے کی طرف حقیقی اور اصلی میلان محقق طور پر معلوم نہ ہو جاے تو اُسوقت تک وہ نکاح کا ارادہ نہ کریں۔ لیکن چونکہ ہم نکاح کے حقیقی اور شرعی معنی سے غافل ہو گئے ہیں اسلیئے اُسکو ایک نہایت معمولی اور سرسری بات خیال کرنے لگے ہیں اور اُس کے فرائض کے ادا کرنے میں سستی اور کوتاہی کرتے ہیں۔ اور اُسی کا ایک نتیجہ یہی ہے کہ بغیر اس بات کے کہ طرفین کو ایک دوسرے کے دیکھنے کا موقع ملے نکاح ہو جاتا ہے۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ مخطوبہ کو دیکھ لینا چاروں مذہبوں میں بالاتفاق مباح قرار دیا گیا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث ذکر کر چکے ہیں جس میں آپ نے ایک انصاری کو اُسکی مخطوبہ کے دیکھ لینے کا حکم دیا تھا۔ پس کیا وجہ ہے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر باوجود مفید اور اہم ہونے کے عمل کرنا ترک کر دیا ہے اور دوسری حدیثوں پر عمل کرتے ہیں باوجودیکہ وہ اہمیت میں اُس سے کم ہیں؟ اس کی وجہ یہہ ہے کہ جاہل آدمی کی یہی عادت ہوتی ہے کہ وہ مضر باتوں کی طرف رغبت کرتا اور مفید باتوں سے نفرت کرتا ہے۔

وہ مرد اور عورت جن کو خدا نے عقل سلیم عطا کی ہے ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہونے کے بغیر کس طرح ممکن ہے کہ ایک ایسی زنجیر میں اپنے آپ کو جکڑ لیں جس میں ان کو مدت العمر رہنا ہوگا۔ معمولی عقل کا آدمی بھی جب ایک مٹی کا پیالہ خریدنا چاہتا ہے تو اُسکو خوب اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھ لیتا ہے تب کہیں چھدام کی کوڑیاں گرہ سے کھولنا گوارا کرتا ہے۔ مگر عقلمند اور ہوشیار لوگ نکاح کے معاملہ میں ایسی عجلت اور سبک سری کام میں لاتے ہیں جسکو دیکھ کر عقل کو نہایت حیرانی اور پریشانی پیش

آتی ہے۔

ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ مرد کو اپنی ماں یا بہن کے ذریعہ سے اُس کی مخطوبہ یا منسوبہ کے حالات اور اوصاف معلوم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اُسکے بالوں کی سیاہی، رخساروں کی لطافت، اُسکے ہونٹوں کی نزاکت اور اُسکی عقل کی متانت وغیرہ وغیرہ اوصاف پر اُس کو اطلاع ہو جاتی ہے۔ غرضکہ مجمل طور پر اُس کے ظاہری حسن وجمال اور اخلاق وعادات کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح لڑکی کو بھی بارھا جھروکے میں سے دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ میں اسکے جواب میں یہہ کہتا ہوں کہ بیشک کبھی ایسا ہوتا ہے لیکن یہہ متفرق اوصاف ہیں جنسے کوئی خاص صورت ذہن نشین نہیں ہو سکتی اور نہ یہہ ممکن ہے کہ اِن اوصاف کے سننے سے اُس کی طرف میلان اور رغبت پیدا ہو اور نہ اِس امر کا اطمینان ہو سکتا ہے کہ اُس کی صحبت موجب تسکین اور باعث آرام وراحت ہوگی۔ دوراندیش شخص کے لئے یہہ بات لازمی ہے کہ وہ اپنی مخطوبہ یا منسوبہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اُس کے طرز خیال اور طرز کلام پر مطلع ہو اُس کے تمام اوصاف اور اخلاق وعادات سے ذاتی واقفیت حاصل کرے ورنہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ اوصاف اور عادات اُس کے مذاق کے موافق اور اُس کی رغبتوں کے مطابق ہیں؟

اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی اجنبی آدمی کو پہلے پہل دیکھتا ہے تو نظر پڑنے کے ساتھ ہی اُس کی طبیعت سخت نفرت کرتی ہے اور اِس کا کچھ بھی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ اور بسا اوقات دور سے ایک شخص قبیح اور بدہیئت اور قابل نفرت معلوم ہوتا ہے لیکن جب وہ قریب آتا اور باتیں کرتا ہے، یہہ خیال بالکل معکوس ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات جب ابتداءً کسی شخص کے چہرہ پر نظر پڑتی ہے تو حسن وجمال کی چمک دمک

معلوم ہوتی ہے لیکن جب وہ قریب آتا اور باتیں کرتا ہے تو یہہ احساس بالکل بدل جاتا ہے۔ خصوصاً اس مادی احساس کو خواہ وہ رغبت ہو یا نفرت خوبصورتی اور بدصورتی سے کچھ بھی تعلق نہیں معلوم ہوتا اور نہ یہہ احساس تمام اشخاص میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ شخص واحد کا منظر بعض شخصوں کے لئے موجب رغبت اور بعض کے لئے باعث نفرت ہوتا ہے۔

پس شوہر اور زوجہ کے درمیان اس جذب حسی کا موجود ہونا نہایت ضروری ہے اور اگر اُن مردوں اور عورتوں کے درمیان جو باہم نکاح کرنا چاہتے ہیں اُس کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے تو پھر کس چیز میں اُسکی ضرورت ہو سکتی ہے۔

علاوہ ازیں نکاح کے لئے زوجہ اور شوہر میں صرف اس مادی کشش کا موجود ہونا کافی نہیں ہے بلکہ ضرور ہے کہ طرفین کے نفوس میں توافق پایا جائے یعنی اُنکی عقل اور اخلاق اور ملکات کے درمیان (اتحاد نہیں کیونکہ وہ ناممکن ہے) ائتلاف پایا جائے۔ اور اس ائتلاف یا توافق کا ہونا یا نہ ہونا صرف اُسی صورت میں معلوم ہو سکتا ہے جبکہ ان دونوں کو باہم ملنے جلنے کا اتفاق ہو اگرچہ کم ہو۔

اس سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کرسکتا کہ جس نکاح کی بنیاد اس توافق پر ہوگی اُسکی زوجہ اور شوہر دونوں کی نظروں میں عزت اور وقعت ہوگی وہ ایک ایسا مضبوط اور مستحکم تعلق ہوگا جو آسانی کے ساتھ نہیں ٹوٹ سکتا اور موجب عصمت و عفت ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ جس نکاح کی بنیاد اس توافق پر نہ ہو وہ ایک سراسر خسارہ کا معاملہ ہوگا جس میں زوجہ اور شوہر کو کوئی بہبودی اور بہتری نصیب نہیں ہوسکتی اگرچہ اُس نکاح کی مدت کیسی ہی طویل اور مرد و عورت کی اخلاقی صفات کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی ہوں۔ اسی وجہ سے اکثر

لکھتا ہے کہ "جو نکاح بے دیکھے کیا جائیگا اُسکا انجام دائمی رنج و غم ہوگا"

چونکہ آج کل نکاح کے معاملہ میں ان ضروری شرائط کی رعایت نہیں کی جاتی اس لئے وہ زوجہ اور شوہر کے درمیان ایک نہایت بودا اور کمزور تعلق ہوتا ہے جو ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں شکست ہو جاتا ہے۔ اسکی وجہ سوائے اِسکے اور کچھہ نہیں کہ زوجہ و شوہر میں سے ہر شخص اُس قید سے آزاد ہونا چاہتا ہے جس کی حفاظت کی اُسکو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی اور جسکی اُسکی نظروں میں کچھہ بھی قدر و قیمت نہیں ہے۔

ذوق سلیم اس بات کو واجبی اور قرین انصاف خیال کرتا ہے کہ عورت کو بھی شوہر کے انتخاب کا وہی حق حاصل ہونا چاہیئے جو مرد کو زوجہ کے انتخاب کرنے کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ یہہ معاملہ بہ نسبت اُنکے قرابت داروں کے زوجہ و شوہر کے لئے زیادہ تر اہم ہے۔ پس عورت کو اُسکے نکاح کے معاملات میں غور و فکر کرنے سے محروم کر دینا اور بغیر اُسکی رائے دریافت کرنے کے نکاح کے تمام معاملات کو فیصل کر دینا کسی حالت میں درست نہیں۔

ہمارے ہاں یہہ عام دستور ہے لڑکی سے اُس شخص کے تمام حالات مخفی رکھے جاتے ہیں جسکے ساتھہ اُس کی نسبت ہوتی ہے۔ پس اُسکے ذاتی اوصاف اور اخلاق و عادات کی اُسکو بالکل خبر نہیں ہوتی۔ نہ اُس سے پوچھا جاتا ہے کہ آیا وہ اُسکے ساتھہ نکاح ہونا پسند کرتی ہے یا نہیں، نہ اُس کی رغبت اور میلان دریافت کیا جاتا ہے۔ اور زیادہ تر مصیبت یہہ ہے کہ اُس کو اسقدر جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو اپنے والدین یا سرپرستوں کے سامنے بیان کر سکے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ کنواری لڑکیوں کو مناسب نہیں کہ وہ اپنے نکاح کے معاملہ میں دخل دیں۔

غرضکہ رشتہ داروں اور غیر رشتہ داروں سے اُسکے نکاح کے بارے میں رائے لی جاتی ہے مگر نہیں لی جاتی تو اُس سے جسکی آیندہ قسمت کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اور اس بات کو اعلیٰ درجہ کی حیا سمجھا جاتا ہے حالانکہ اُن کا یہ خیال سراسر غلط ہے۔

ھماری شریعت نے جو بالکل عدل و انصاف پر مبنی ہے نکاح کے متعلق عورتوں کو جو حقوق عطا کیئے ہیں وہ کسی حالت میں مردوں کے حقوق سے کم نہیں ہیں۔ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ شوھر کے انتخاب میں حتی الوسع بذات خود غور کر کے اپنی رائے قایم کریں۔ پس ھمارا فرض ہے کہ ھم اپنی شریعت کی ہدایتوں کی پیروی اور قرآن مجید اور سنت نبوی کے احکام کی تعمیل کریں تاکہ نکاح طرفین کے لیئے ذریعہ سعادت اور موجب فلاح و بہبودی ہو۔

قرآن مجید میں وارد ہوا ہے "ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف"

ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی بنا پر فرمایا کرتے تھے کہ جسطرح میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اپنی بی بی کو بناؤ سنگار میں دیکھوں اسی طرح میں اس بات کو بھی پسند کرتا ہوں کہ وہ بھی مجھکو ایسی ھی حالت میں دیکھے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "وعاشروھن بالمعروف" یعنی تم اپنی بی بیوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو سہو" اور نیز اُنکے حقوق کی عظمت اور اھمیت ظاھر کرنے کے لیئے فرماتا ہے "واخذن منکم میثاقاً غلیظاً" یعنی "وہ تم سے پکا قول لے چکی ہیں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "وہ کامل ترین ایمان والے وھی مسلمان ہیں جو سب سے زیادہ پاکیزہ اخلاق رکھتے اور اپنی بیبیوں سے مہربانی اور شفقت کے ساتھ معاملہ کرنے والے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

عورتوں کے ساتھ نہایت محبت اور شفقت کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے "دنیا کی تین چیزیں مجھکو محبوب ہیں۔ عورتیں اور خوشبو مگر میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔" آپ عورتوں کی نہایت عزت اور وقعت فرماتے تھے جو آپ کے کریمانہ اخلاق اور پاکیزہ شمائل کی دنیا کے سامنے ایک زبردست دلیل ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات آپ حضرت ام المؤمنین کو سوار کرنے کے لئے زمین پر اپنا گھٹنا ٹیک دیتے تھے تا کہ وہ اس پر پاؤں رکھکر سوار ہو جائیں اور بعض اوقات اُنکے ساتھ مزاح اور خوش طبعی بھی فرماتے تھے۔ آپ عورتوں کے حال پر بالعموم نہایت شفیق اور مہربان تھے اور ہمیشہ مردوں کو اُنکے ساتھ بھلائی اور نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اس موضوع میں جس قدر حدیثیں مروی ہیں منجملہ اُنکے ایک حدیث یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "تم میں اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں اچھے ہوں۔ اس بارہ میں بے شمار حدیثیں مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام عورتوں کا اعتبار اور احترام کرنے اور اُنکے ساتھ فیاضی اور احسان کے ساتھ معاملہ کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

مگر جب تک ہماری قوم کی عورتیں جہالت کے لحاظ سے اپنی موجودہ حالت پر قائم رہیں گی اُسوقت تک نہ اُنکی عزت و وقعت اور قدر و قیمت میں ترقی ہو سکیگی اور نہ اُنکی غلامی کی حالت میں کسی قسم کی تخفیف ہو گی۔

مگر جب عورتیں تعلیم و تربیت پا کر اپنے حقوق اور اپنی قدر و قیمت سے واقف ہونگی تو نکاح بھی مرد اور عورت دونوں کے لئے سعادت و فلاح کا حقیقی ذریعہ بن جائیگا اور زوجیت کی بنیاد اُن دو شخصوں کی باہمی کشش پر ہو گی جو ایک دوسرے کے ساتھ جسم اور قلب سے اور عقل سے پوری محبت کرتا ہے۔ اس وقت عورت اپنی عقل

کے زیر حکومت زندگی بسر کریگی۔ اور مردوں میں سے صرف اُس شخص کو منتخب کریگی جس کی طرف اُس کو دلی رغبت ہوگی اُس کے والدین اور سرپرست بھی اُس کے کمال عقل اور حسن اختیار پر بھروسہ کر کے اُسکی رائے کے ساتھ اتفاق کرینگے۔ نہ اُسکو اُنکے ناراض ہونے کا خوف ہوگا اور نہ عام لوگوں کی نکتہ چینیوں کا خطرہ ہوگا پس اس وقت مردوں کو عورتوں کی قدر وقیمت معلوم ہوگی اور حقیقی محبت کا ذائقہ چکھنا اُنکو نصیب ہوگا۔

ان دونوں زوجہ و شوہر کو دیکھو جن میں باھمی دلی محبت ہے تم کو معلوم ہوگا کہ وہ بہشت کی نعمتوں اور خوشیوں میں عیش کر رہے ہیں۔ ان کو اس بات کی مطلق پروا نہ ہوگی کہ اُنکا صندوق روپیہ سے خالی ہے یا اُن کے دسترخوان پر دال اور پیاز کے سوا دنیا کی بیش قیمت اور لذیذ نعمتیں موجود نہیں ہیں۔ ان کے دلوں کو ہر منٹ پر ایک تازہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ یہی وہ خوشی ہے جو دل میں اطمینان اور جسم میں نشاط اور اُمنگ کی روح کو ہیجان میں لاتی ہے اور دل میں زندگی کی لذت کے شعور کو اکساتی اور اُسکے بوجھ کو ہلکا کرتی ہے۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ "ایمان کے بعد نیک بخت عورت سے زیادہ کوئی نعمت نہیں"

اسکے مقابلہ میں ہماری قوم کے خاندانوں کی حالت پر غور کرو تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ زوجہ و شوہر میں بعد المشرقین ہے۔ اگر صرف یہی بعد ہوتا تو اُسکی مصیبت کا برداشت کرنا کسی قدر آسان ہوتا مگر چونکہ یہہ انسان کی ایک طبعی بات ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی بہبودی اور بہتری کے درپے رہتا ہے اس لئے زوجہ و شوہر میں سے ہر شخص اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اُسکی فلاح و بہبودی میں جو چیز حائل اور سنگ راہ ہے وہ اُسکا رفیق ہے اور اس اعتقاد سے گھر میں طرح طرح کی باھمی رنجشیں اور کدورتیں

پیدا ہوتی ہیں اور ہر شخص کا دل دوسرے عیوب اور شکوہ و شکایت سے لبریز رہتا ہے اور صبح سے شام تک میاں بی بی میں جھگڑے اور مناقشے برپا رہتے ہیں۔

اس ناگوار حالت کا انجام یا تو یہ ہوتا ہے کہ عورت گھر کے تمام کاروبار خدمتگاروں اور ماماؤں پر ڈال کر الگ ہو جاتی ہے کہ وہ جس طرح چاہیں کریں اور اس وجہ سے گھر کا تمام انتظام مختل اور درہم برہم ہو جاتا ہے اس میں خرابی اور برائی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ تمام فرش و فروش گرد آلود دسترخوان میلے اور گندے نظر آتے ہیں۔ عورت نہ شوہر کی خبرگیری کرتی ہے اور نہ بچوں کی اور ہر وقت تنہائی میں بیٹھی ہوئی اپنی بدبختی اور بدنصیبی کو روتی رہتی ہے۔ یا یہ کہ وہ سویرے ہی گھر چھوڑ نکل کھڑی ہوتی ہے اور پڑوس کی عورتوں کو اپنا دکھ درد سناتی پھرتی ہے۔

مرد کا حال بھی کچھ اس سے بہتر نہیں ہوتا۔ وہ بھی گھر چھوڑ کر قہوہ خانون یا اپنے دوستوں کے پاس آرام کرتا ہے اور جب گھر میں آتا ہے تو بی بی سے الگ تھلگ چپ چاپ بیٹھ جاتا ہے۔

ہمارے گذشتہ بیان کا نتیجہ یہ ہے کہ بغیر دیکھے نکاح کرنا جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے ایک ایسا طریقہ ہے جس کو مرد غالباً اُن عورتوں سے شہوانی جذبات کے پورا کرنے کی غرض سے استعمال کرتے ہیں جو اُن کے عقد نکاح میں دفعتاً یا یکے بعد دیگرے داخل ہوتی ہیں۔ اور جب تک یہ طریقہ جاری ہے اُس وقت تک عورت کی ہرگز عزت اور وقعت نہیں ہو سکتی۔

مگر جن لوگوں کا نکاح سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ ان کو ایک مونس اور غمگسار رفیق زندگی میسر آ جائے جو رنج و راحت میں اُن کا شریک ہو اُن کو اکثر اوقات اپنے مقصد میں کامیابی نہایت مشکل بلکہ بعض اوقات ناممکن ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم گذشتہ چند سال سے دیکھ

رہتے ہیں کہ اکثر نوجوان جو نکاح کی بخوبی مقدرت رکھتے ہیں اسکی طرف بالکل رغبت نہیں کرتے ۔ چونکہ مہذب اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تعداد سال بسال بڑھتی جاتی ہے کیونکہ لڑکوں کی تعلیم و تربیت کا خیال روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے اسلئے لڑکیوں کی تعلیم و تربیت بھی ایک نہایت ضروری اور لابدی امر ہوگیا ہے ۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہم کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں کہ نکاح کا اعتبار اور وقار بالکل جاتا رہیگا اور اوسکا رواج اٹھ جائیگا ۔

اگر یہہ کہا جاے کہ اس زمانہ کے تعلیم یافتہ نوجوان اُس نکاح پر جس میں اُن کو اپنی پیاری امیدوں سے مایوسی ہے تجرد کو ترجیح دیتے ہیں تو اس میں بالکل مبالغہ نہیں ہے ۔ کیونکہ وہ ایسی زوجہ کو اپنے نکاح میں لانا پسند نہیں کرتے جس کو اونھوں نے کبھی نہ دیکھا ہو ۔ بلکہ ان کو ایک مونس اور غمگسار دوست مطلوب ہوتا ہے جو اُنکے ساتھ تہنیت کرے اور وہ اُسکے ساتھ محبت کریں اُنکو تو ایسی کی ضرورت نہیں ہے جس سے صرف قسم کے کام لئے جا سکتے ہیں ۔ اُن کی خواہش ہے کہ اُن کے بچوں کی ماں کم ازکم اسقدر ذی علم اور تجربہ کار ہو کہ وہ اپنے بچوں کو پاکیزہ اخلاق اور اصول حفظان صحت کے مطابق تربیت کر سکے ۔

جو لوگ تعصب اور قدیم رسم و رواج کی تقلید سے آزاد ہیں وہ بالضرور زمانہ حال کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے اس میلان کو دیکھکر خوش ہونگے کہ وہ روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے اور اُن کی خواہشات کا دریافت کرنا اور اُنکے مطالب اور مقاصد پر کافی غور کرنا ضروری خیال کرینگے ۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ اُن کی آرا اور خیالات پر کافی غور کئے بغیر فرنگیوں کی تقلید کا اتہام اُنکے ذمہ نہ لگا ئینگے ۔ بلکہ اُن کے دعوے اور مطالب کو عقل اور شریعت کی میزان میں وزن کرینگے اور جب اُنکو ثابت ہو جائیگا کہ وہ تغیر جسکے جدید تعلیم یافتہ نوجوان خواستگار ہیں مذہب اسلام کے اصول اور گذشتہ مسلمانوں کی رسوم کے مطابق ہے اور ایک ایسی

اصلاح ہے جو عقل سلیم کے موافق ہے تو وہ انکی مساعدت اور اعانت میں ہرگز کوتاہی نہ کرینگے۔

تعدد زوجات

تعدد زوجات منجملہ اُن رسوم اور عادات کے ہے جو ظہور اسلام کے زمانہ میں جاری تھیں، اور جبکہ عورت مرتبہ انسان اور حیوان کے بین بین ایک خاص نوع خیال کی جاتی تھی اُسوقت یہہ رسم روے زمین کے تمام ممالک میں بڑی شدومد کے ساتھہ پھیلی ہوئی تھی۔ یہہ عادت منجملہ ان عادتوں کے ہے جن کی نسبت تاریخی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سوسائٹی میں عورت کیحالت کے تابع ہوتے ہیں جس قوم میں عورت کی حالت سوسائٹی میں پست اور ذلیل ہوتی ہے اُس قوم میں کثرت سے مرد شوہر کے ساتھ یہ عادت جاری ہوتی ہے اور جسقدر اس میں بلحاظ تہذیب اور شایستگی کے ترقی ہوتی جاتی ہے اُسیقدر تعدد زوجات کا دستور بتدریج کم ہوتا جاتا ہے اور آخرکار جب قوم ترقی کی معراج پر پہونچ جاتی ہے تو یہہ رواج بالکل زائل ہوجاتا ہے، بشرطیکہ کوئی خاص اسباب اُس قوم کے ایک فرد یا چند مخصوص افراد کو اُس پر مجبور کرنے والے موجود نہوں، ایسی حالت میں صرف اُنہیں مخصوص افراد پر محدود رہتا ہے حتی کہ جو قوم تعدد زوجات کی عام طور پر خوگر ہے اس میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص بلحاظ اپنی کمال عقل کے اس درجہ پر پہونچ جاتا ہے کہ وہ اپنے اھل وعیال واولاد میں اپنی عورت کے مرتبہ کو سمجھنے لگتا ہے اور اس بات کو معلوم کرلیتا ہے کہ شریعت اور فطرت کے مطابق جس مرتبہ کی وہ مستحق ہے اُس پر پہونچنا اُسکا ایک واجبی حق ہے تو وہ صرف ایک ہی زوجہ پر اکتفا کرتا ہے۔ اس کی تائید میں ہم اپنا مشاہدہ پیش کرسکتے ہین جس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ ھماری قوم کے بعض طبقوں اور خاندانوں میں یہہ عادت گذشتہ بیس پچیس سال کی نسبت بہت کم ہوگئی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس عادت کے زائل ہونے میں کسی قدر غلامی کی ممانعت کو بھی دخل ہے کیونکہ اُس کی بدولت لونڈیوں کی خرید و فروخت کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے جن سے اکابر قوم کے محلات بھرے رہتے تھے۔ مگر مجھکو معلوم ہوتا ہے کہ ہماری قوم کے مردوں کی عقلی ترقی اور انکی تہذیب و شایستگی کو بھی اس عادت کے معدوم ہونے میں سب سے بڑا دخل ہے۔ کیونکہ ایک مہذب شخص اپنی عورت کے ساتھ جابرانہ خودمختاری کے ساتھ معاملہ کرنا پسند نہیں کرسکتا اور نہ اُسکی مروت اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرکے اُسکی توہین اور تحقیر جائز رکھے۔

ظاہر ہے کہ تعدد زوجات میں عورت کی نہایت سخت تحقیر ہے کیونکہ جسطرح کوئی مرد ایسا نہیں پایا جاتا جو اپنی عورت کی محبت میں کسی دوسرے مرد کا شریک ہونا پسند کرتا ہو اسیطرح کوئی عورت ایسی نہیں ہو سکتی جو اپنے شوہر کی محبت میں کسی دوسری عورت کا شریک ہونا پسند کرتی ہو۔ یہہ خواہش جسطرح مرد کے لئے طبعی اور خلقی ہے اسی طرح عورت کے لئے طبعی اور خلقی ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہہ خواہش طبعی نہیں ہے جسکی تائید میں وہ مرغ کی مثال پیش کرتے ہیں جو تنہا بیشمار مرغیوں کے درمیان بسر کرتا ہے۔ بالفرض اگر اُن کی یہہ رائے تسلیم بھی کرلی جائے تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہہ خواہش انسانی نفوس میں ھزاروں برسوں تک نسلاً بعد نسل منتقل ہونے سے اسقدر راسخ اور مستحکم ہو گئی ہے جو خلقی اور فطری خواہشوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

بہرحال جس عورت کو اپنی ذاتی عزت اور احترام کا خیال ہے وہ اگر اپنے شوہر کے پہلو میں کسی دوسری عورت کو دیکھے گی تو بیشک اُسکو رنج اور صدمہ ہوگا۔ اسلئے کہ اُسکی حالت ان دونوں باتوں سے خالی نہیں ہو سکتی۔ یا تو اُسکے دل میں اپنے شوہر کی خالص محبت

ہو گی تو اُس کے دل میں رشک اور غیرت کے شعلے بھڑک اُٹھیں گے جس کی تکلیفات اور
صدمات اُس کو جھیلنی پڑیں گی - یا اگر اُسکے دل میں شوہر کی خالص محبت نہ ہوگی لیکن وہ کسی
وجہ سے اُسکے ساتھہ زندگی بسر کرنے پر راضی ہوگی پس وہ اس وقت بھی خاندان میں
اپنی ایک خاص وقعت دیکھتی ہوگی مگر جب اُس کا شوہر دوسری عورت کے ساتھہ نکاح کریگا
تو بالضرور اُس کو اس بات کا صدمہ ہوگا کہ خاندان میں جس قدر عزت اور وقعت باقی تھی
وہ بھی جاتی رہی - غرضکہ رنج و غم اور صدمہ سے اُس کو کسی حالت میں چھٹکارا نہیں ہوسکتا
اگر یہہ کہا جاے کہ تجربہ اور مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دو یا زیادہ عورتوں
کا جمع کرنا ممکن ہے جبکہ ان میں سے ہر ایک اپنی حالت پر راضی اور خوش خرم رہے -
اِسکا جواب دو طرح پر دیا جاسکتا ہے - اول یہہ ہے کہ دعویٰ کہ سب عورتیں اپنی حالت میں
راضی اور خوش خرم رہیں صحیح نہیں ہے - صرف بعض شاذ و نادر افراد میں اس کی صحت تسلیم
کی جاسکتی ہے جن کا قوم کی حالت کے اندازہ کرنے میں اعتبار نہیں کیا جاسکتا - عورتوں
اور اُنکے شوہروں کے درمیان جھگڑوں اور مناقشوں کے جس قدر واقعات ہوتے ہیں
اور جسقدر جرائم اُن سے سرزد ہوتے ہیں وہ حد تعداد و شمار سے باہر ہیں - یہہ اسبات
کی کافی شہادت ہے کہ تعدد زوجات باہم سوکنوں اور اُنکے شوہروں کے درمیان موجب
نزاع و فساد اور تمام اعزہ و اقارب کے حق میں باعث بدبختی اور بدنصیبی ہے - جو لوگ
اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہماری عورتیں متعدد ہونے کی حالت میں بھی راضی
اور خوش خرم رہتی ہیں اور دلی اطمینان اور راحت کے ساتھہ زندگی بسر کرتی ہیں درحقیقت اُنکو
معلوم ہی نہیں کہ گھروں کی چار دیواری میں عورتوں کی کیا حالت ہے - دوسری طرح پر ہم
یہہ جواب دیتے ہیں کہ رضامندی کی چند شاذ و نادر مثالیں جو دیکھی جاتی ہیں اُسکی وجہ یہہ ہے

کہ ہماری عورتیں بوجہ اپنی جہالت اور نادانی کے اپنی ذات کو مردوں کی ملک سمجھتی ہیں
اور یہہ خیال کرتی ہیں کہ ان کو اختیار ہے کہ ایک عورت پر اکتفا کریں یا اُس کے
ساتھ دوسری اور تیسری اور چوتھی کو جس طرح چاہیں شریک کریں عورتوں کو کوئی حق نہیں کہ
وہ اس بارہ میں مردوں سے بازپرس کرسکیں، جس طرح ابھی گذشتہ قریب زمانہ میں مصر
کے لوگ اپنے آپ کو حکام کی ملک سمجھتے تھے۔

مجھکو یقین ہے کہ ایک مہذب شخص جو اُن فرائض کو بخوبی سمجھتا ہے جو شریعت
اور انصاف نے اُسکے ذمہ ڈالے ہیں اُن ذمہ داریوں کو ہرگز انجام نہیں دے سکتا
جو زیادہ نہیں بلکہ صرف دو عورتوں کے جمع کرنے سے انسان کے ذمہ عاید
ہوتی ہیں۔

ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ عورت کی فطرت میں اس بات کا طبعی میلان ہے کہ
وہ مرد کے دل کو اپنے قابو میں لے آئے۔ پس جبکہ وہ اپنے شوہر کے پہلو میں کسی
دوسری عورت کو دیکھنے کی جبلی میلان رکھتی ہے اور جس کے لئے بعض وسائل نے
اپنی اس خواہش کا پورا کرنا ممکن ہے تو اُس کے دل میں نہایت بے چینی اور بیقراری
پیدا ہوگی اور آرام وراحت اُس سے رخصت ہوجائینگے اور اُس کی زندگی ایک سخت دردناک
عذاب بن جائے گی۔ چونکہ یہہ حالت ایک مہذب اور عقلمند شخص پر مخفی نہیں رہسکتی
تو کس طرح ممکن ہے کہ وہ اس دردناک عذاب کا مشاہدہ کرتا رہے اور آرام واطمینان
کے ساتھ زندگی بسر کرسکے۔

عورتوں کی بے چینی اور بے قراری اِس سے اور بھی بڑھ گئی ہے کہ فقہائے
اس امر کی تصریح کردی ہے کہ مرد پر اپنی عورتوں کے درمیان محبت میں عدل کرنا ضروری

نہیں ہے بلکہ نان ونفقہ وغیرہ میں عدل کا ملحوظ رکھنا کافی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ عورت کی اس درجہ بدبختی اور بدنصیبی کا ایک مہذب شخص کے دل پر سخت اثر ہوگا اور ہمیشہ اُسکو بھی خیال رہیگا کہ اس بدبختی کا اصلی سبب میں ہی ہوں

علاوہ ازیں مختلف ماؤں سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ باہمی نفاق وفساد اور آپس کے جھگڑوں اور مناقشوں کی تیز اور تند آندھیوں میں نشوونما پائے گی۔ اسلئے وہ باہم برادرانہ محبت اور شفقت کے تعلقات ہرگز مستحکم نہ کرسکینگے بلکہ اسکے برخلاف ان کے دلوں پر باہمی بغض وعداوت کا گہرا رنگ چڑھتا جائیگا اور جب وہ اپنی ماؤں کو آپس میں لڑتے جھگڑتے یا اپنے باپ کے ساتھ جوتی بیزار ہوتے دیکھیں گے تو جو کچھ اس کا اثر ان کے دلوں پر ہوگا اُسکو کون روک سکتا ہے۔ بلکہ یقیناً انکے دلوں میں نفاق اور فریب اور غداری کا زہریلا مادہ سرایت کرجائیگا اور وقتاً فوقتاً اُسکا اظہار ہوتا رہیگا۔ اُنکی مثال یوروپین ممالک کی سی ہوگی جو صلح کا اظہار کرتے اور چپ چاپ جنگی طیاریوں میں مصروف رہتے ہیں اور جب موقع ملتا ہے تو ایک دوسرے پر یورش کرتے اور آپس میں لڑ مرتے ہیں۔ یہی وہ افسوسناک حالت ہے جو ہماری قوم کے اکثر خاندانوں میں دیکھی جاتی ہے

اس حالت کو تم اُس متحد خاندان کی حالت کے ساتھ مقابلہ کرو جہاں اولاد اپنے والدین کے آغوش شفقت میں پرورش پاتی ہے سچی اور دلی محبت کا جوش اُنکے دلوں میں موجزن ہے۔ باہمی محبت اور الفت کے بڑھانے اور رشتۂ اخوت کو تقویت دینے میں وہ ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں اُنکے درمیان ایک مستحکم معاہدہ ہوچکا ہے جس نے اِن کو مثل ایک جسم کے اعضا کے بنا دیا ہے۔ اگر ان میں کوئی خوش ہے تو اُس کے ساتھ سب کے سب خوش ہیں اور اگر ان میں سے کوئی روتا ہے تو اُسکے

ساتھ سب روتے ہیں۔ بے شک یہی لوگ دنیا میں خوش قسمت ہیں۔ خدا نے اُن کو بہت بڑی اعلیٰ درجہ کی نعمت عطا فرمائی ہے جس کی عاقل تمنا کرتے ہیں۔ وہ کیا ہے؟ رشتہ داروں کی باہمی محبت۔

پس بلاشک وشبہ مرد کے لئے سب سے بہتر یہہ بات ہے کہ وہ ایک بی بی پر اکتفا کرے۔ اس حالت میں وہ اِن فرائض کو ادا کر سکے گا جو شریعت نے اُس کے ذمہ عائد کئے ہیں اور اپنے اور بچوں کے نان و نفقہ، تربیت اور محبت کے حقوق ادا کر سکے گا۔

کوئی شخص دوسرا نکاح کرنے کے لئے مجبور اور معذور نہیں خیال کیا جا سکتا مگر سخت ضرورت کی حالت میں مثلاً جبکہ اُس کی پہلی بی بی کسی مرض مزمن میں مبتلا ہو اور فرائض زوجیت کے ادا کرنے سے قاصر ہو۔ میں یہہ بات کہتا ہوں مگر میں اسکو پسند نہیں کرتا کہ ایسی حالت میں بھی کوئی شخص دوسرا نکاح کرے کیونکہ اس میں عورت کا کچھ قصور نہیں۔ اور مروت اس بات کی مقتضی ہے کہ مرد ان تمام تکلیفات اور صدمات کو صبر کے ساتھ برداشت کرے جو اُس کی بیماری کی حالت میں اُسکی عورت کو برداشت کرنا پڑتے۔

علاوہ ازین ایک دوسری حالت بھی ایسی پائی جاتی ہے جس میں دوسرا نکاح کرنا چندان قابل ملامت نہیں۔ خواہ پہلی بی بی کو بدستور باقی رکھکر اگر وہ پسند کرے یا اُسکو طلاق دیکر اگر وہ ایسا چاہے۔ اور وہ یہہ صورت ہے کہ عورت بانجھ ہو اور اُس کے اولاد ہونے سے قطعی مایوسی ہو۔ کیونکہ اکثر مرد اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے کہ اُن کی نسل منقطع ہو جائے۔

غرضکہ اِن صورتوں اور ایسی حالتون کے ماسوا دوسرا نکاح کرنا میرے نزدیک شہوت رانی کے لئے ایک شرعی حیلہ ہے جو فساد اخلاق اور اختلال حواس اور حرص لذات پر دلالت کرتا ہے۔

جو شخص اُن قرآنی نصوص پر غور کریگا جو تعدد زوجات کی نسبت وارد ہوئی ہیں تو اُس کو معلوم ہوگا کہ وہ آن واحد میں حرمت اور اباحت دونوں پر مشتمل ہیں۔ خداوند تعالیٰ

"فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ"	فرماتا ہے "تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کر لو لیکن اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ کئی بی بیوں میں برابری کے ساتھ برتاؤ نہ کرسکو گے تو اس صورت میں ایک ہی پر قناعت کرنا چاہیئے"
"ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا وتتقوا فان اللہ کان غفورا رحیما"	"اور تم اپنی طرف سے بہتیرا چاہو لیکن یہہ تم سے ہوہی نہیں سکیگا کہ کئی کئی بی بیوں میں پوری پوری برابری کرسکو تو بالکل ایک ہی طرف مت جھک پڑو کہ دوسری کو اسطرح چھوڑ بیٹھو کہ گویا ادھڑ میں لٹک رہی ہے اور اگر آپس میں موافقت کرلو اور ایک دوسرے پر زیادتی کرنے سے بچے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے"

ان آیات سے وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ شارع نے ایک بی بی پر اکتفا کرنے کو صرف عدم عدل کے خوف پر محمول کیا ہے اور اسکے بعد تصریح کی ہے کہ عدل غیر ممکن ہے پس ایسا کون شخص ہے جسکو عدم عدل کا خوف نہ ہو جبکہ یہہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عدل ناممکن ہے۔ کیا انسان کسی محول کام کے انجام دینے سے خوف

نہیں کرتا ہے میرا خیال ہے کہ جب انسان کوئی ایسا کام شروع کرتا ہے جو اُس کی استطاعت سے باہر ہوتا ہے تو اسکو ضرور اِس بات کا خوف بلکہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اُسکے انجام دینے سے عاجز اور قاصر رہے گا۔

اگر کوئی شخص اِن دونوں آیتوں سے تعدد زوجات کی حرمت کا حکم لگائے تو اُس کا یہہ حکم اِن آیتوں کے معنوں سے کچھ بعید نہ ہوگا مگر سنت اور عمل اسکے برخلاف ہے جس سے فی الجملہ اباحت معلوم ہوتی ہے۔

پس گویا کہ شرعی طور پر اِن دونوں آیتوں نے بحیثیت مجموعی تعدد زوجات کی حلت کا حکم لگایا ہے اور یہہ کہ خداوند تعالی نے لوگوں کو اُنکے دلی خیالات پر چھوڑ دیا ہے پس جس شخص کو اپنے نفس پر اسقدر بھروسہ ہو کہ اُسکو عدم عدل کا بالکل خوف نہ ہو تو اُس کے لیئے عند اللہ تعدد زوجات مباح ہوگا اور جسکو اسقدر بھروسہ نہ ہو اُس کے لیئے ایک سے زیادہ نکاح کرنا حرام ہوگا۔ اور اسکے ساتھ مزید تحذیر کی غرض سے یہہ بھی کہدیا ہے کہ اِس درجہ قوت نفس استطاعت سے باہر ہے۔

غایت مافی الباب اِس آیت سے تعدد زوجات کی حلت معلوم ہوتی ہے جبکہ نا انصافی کا خوف نہ ہو۔ اور یہہ حلال بھی مثل اِن دیگر مباحات کے ہے جن پر منع اور کراہت وغیرہ کے شرعی احکام عارض ہوتے ہیں بلحاظ اُنکے مقاصد اور مصالح کے۔ پس جب کہ اکثر لوگ اپنی عورتوں پر ظلم و ستم کرتے ہوں جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے، یا تعدد زوجات کے خاندانوں میں فساد برپا ہو، یا شرعی حدود سے جن کا التزام واجب ہے تجاوز ظہور میں آئے اور خاندان کے ممبروں میں دشمنی اور عداوت پیدا ہو اور یہہ باتیں اسقدر شایع اور ذائع ہوں کہ قریبًا عام ہو جائیں تو مصلحت عامہ کی رعایت سے حاکم کے لیئے

جائز ہوگا کہ وہ تعدد ازدواج کو مشروط یا غیر مشروط طور پر روک دے جیسا کہ اقتضائے مصلحت ہو۔

اس زمانہ کے لوگوں کو مناسب ہے کہ وہ اس عادت سے بطور خود باہر رہنے کی کوشش کریں اور میں نہیں خیال کرتا کہ ہماری آیندہ نسلوں میں سے کوئی شخص اسکے متروک ہو جانے پر افسوس کریگا۔ کیونکہ ایسی حالت میں عورتوں سے فائدہ اٹھانا اگرچہ شہوانی حیثیت سے کم ہو جائیگا لیکن معنوی حیثیت سے اس میں اضافہ ہوگا جو ہر شخص کے لئے نکاح کا اصلی مقصد ہونا چاہیئے۔

کیونکہ جو شخص عقل کے مشورہ کے موافق نکاح کی طرف رغبت کرتا ہے اسکی غرض صرف یہی ہوتی ہے کہ وہ نکاح کے ذریعہ سے اپنے لئے ایک ایسا ہم نشین اور ہمدرد و غمگسار بہم پہنچائے جو مونس تنہائی اور شریک رنج و راحت اور تربیت اولاد اور دیگر کاروبار میں اس کا معین و مددگار ہو۔ اس لئے وہ نہایت شریف اور عالی خاندان عقیل اور فہیم پاکیزہ صورت نیک خصلت عورت کو اس کام کے لئے منتخب کرتا ہے تاکہ اس کی ظاہری اور باطنی خوبیاں باعث خوشی اور تسلی ہوں۔

یہ تمام باتیں صرف اسوقت حاصل ہو سکتی ہیں جبکہ نکاح کے ذریعہ سے زندگی بھر کا رفیق غمگسار بہم پہنچایا جاوے جو اپنی اولاد کو نہایت عمدگی اور خوبی کے ساتھ تربیت دے سکے اور ان کے اخلاق و عادات کی اصلاح کر سکے تاکہ باہمی محبت اور الفت پر انکی نشو و نما ہو۔ ایسی حالت میں وہ اصلی راحت اور حقیقی طمانیت کے ساتھ زندگی بسر کریگا۔

جو لوگ نفسانی شہوات کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں وہ ان لذتوں سے کیونکر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

طلاق

فرانس کا مشہور و معروف مصنف "والٹیر" اپنے خاص ظریفانہ انداز میں جو اس نے اپنی اکثر تالیفات میں اختیار کیا ہے لکھتا ہے کہ "نکاح اور طلاق دونوں تقریباً ایک ہی وقت عالم وجود میں آئے مگر میرا خیال ہے کہ نکاح کی عمر بہ نسبت طلاق کے صرف چند ہفتہ زیادہ ہے یعنی مرد نے نکاح سے دو ہفتہ کے بعد اپنی بی بی سے جھگڑا کیا اور تین ہفتہ کے بعد اسکو مارا اور آخر کار چھ ہفتہ کے بعد اسکو طلاق دیدی" اس سے مصنف مذکور کی یہہ مراد ہے کہ دنیا میں طلاق بھی ایک نہایت قدیم چیز ہے جو تقریباً نکاح کے لوازمات میں داخل ہے۔ اور یہہ بات بالکل صحیح ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوسکتا۔ قوموں کی تاریخ ہمکو بتاتی ہے کہ طلاق یہودیوں، فارسیوں، یونانیوں اور رومانیوں میں مروج تھی اور صرف عیسوی شریعت نے اپنے نزول کے کچھ عرصہ بعد اس کی ممانعت کی۔

اس ممانعت کا اثر مغربی قوموں کی شریعتوں میں اب تک باقی ہے جن میں نکاح کی بنیاد اس اصول پر رکھی گئی ہے کہ نکاح ایک ایسا عقد ہے جو بی بی یا شوہر کی موت کے بغیر کسی طرح نہیں ٹوٹ سکتا۔ مگر اس عقد کے احترام میں اسقدر مبالغہ کیا گیا ہے کہ وہ نوع انسان کے آرام و آسایش کے ساتھ کسی طرح متفق نہیں ہوسکتا۔ بے شک دنیا میں شایستہ اور ہونہار قوموں کی یہی تمنا ہے کہ عقد نکاح ایسا مستحکم ہو جسکو موت کے سوا کوئی چیز نہ توڑ سکے لیکن اس امر کی رعایت کرنا بھی واجب ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ زندگی بسر کرنا جس کے ساتھ معاشرت کرنا ناممکن ہو انسانی طاقت سے خارج ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک عرصہ کے بعد مغربی قوموں کو اس بات کا احساس ہوا کہ کنیسہ کے احکام لوگوں سے بغیر اُن کی حاجتوں اور ضرورتوں کی رعایت کے کمال مطلق کے طلبگار ہیں۔ اور اِس کا یہہ نتیجہ ہوا کہ لوگوں کے دلوں میں ان احکام کی غلامی سے آزاد ہونے کی تحریک پیدا ہوئی اور اس سے لئے وہ اپنی زندگی کی مصلحتوں اور اپنی ضرورتوں کے مطابق قانون بنانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب یہہ خیال عام طور پر لوگوں کے دلوں میں استحکام کے ساتھ قایم ہوگیا تو خود کنیسہ کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ عام لوگوں کی خواہشوں اور مطالبوں کا لحاظ کرے اور اُس نے منظور کیا کہ اگر زوجین میں سے کوئی شخص یہہ بات ثابت کردے کہ وہ نکاح کے وقت پوری طرح با اختیار نہ تھا یا اُس نے دوسرے کی شناخت کرنے میں غلطی کی، یا ان میں سے کوئی اس بات کا دعوی کرے کہ دوسرا شخص فرائض زوجیت کے ادا کرنے سے قاصر ہے تو نکاح فسخ ہوسکتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس دوسری حالت میں بذریعہ تاویل کے نہایت درجہ وسعت ہونے لگی حتی کہ تمام چیزیں اس میں داخل ہوگئیں۔ اور آخرکار یہاں تک نوبت پہونچی کہ فسخ نکاح کے لئے زوجین میں سے ایک شخص کا صرف یہہ دعوی کرنا کافی ہوتا تھا کہ دوسرا شخص نکاح کا نہایت ضروری فرض ادا نہیں کرتا یا وہ اُس کے ادا کرنے سے قاصر ہے۔ اور اِسکی دلیل صرف یہہ تھی کہ اس بات کا جاننا کہ وہ نکاح کا ضروری فرض ادا کرنے سے قاصر ہے یا نہیں زوجین کے سوا دوسرے شخص کے لئے ناممکن ہے پس ان میں سے کسی کا دعوی ہی کافی دلیل ہے جس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

مگر قوموں کی ضرورتوں کے پورا کرنے کے واسطے یہ تساہل بھی کافی نہوا اور ایک عرصہ کے بعد پھر قوموں نے نہایت جوش وخروش کے ساتھ کنیسہ سے مطالبہ کیا کہ ایسے احکام نافذ کئے جائیں جو عام لوگوں کے لئے موجب راحت ہوں۔ یہہ خیال زیادہ تر

اسوجہ سے غالب ہوا کہ وہ اسباب جو فسخ نکاح کے واسطے کنیسہ نے قرار دئے تھے ایسی وھوکہ وہی اور حیلہ سازی غالب ہو گئی اور کسی شریعت کا مکر اور حیلوں کی بنیاد پر قایم ہونا ایک ایسی بات ہے جس کو مہذب نفوس اور صاحب ذوق سلیم کسی طرح پسند نہیں کر سکتے۔

اسی وجہ سے مغربی حکومتوں کو مجبوراً طلاق کے جواز کی تصریح کرنی پڑی اور اسکے لئے کچھ شرائط قرار دین اور انکو اپنے قوانین میں داخل کیا۔ اور اسطرح کنیسہ کی اختیارات کو جو طلاق کی نسبت اُسکو حاصل تھے زوال ہوا جسطرح کہ اسکی اُن تمام اختیارات کو زوال ہوا جن میں اُس کے احکام ان قوموں کی مصلحتوں کے موافق نہ تھے۔ ہر ایک مذہب اور شریعت جس کے احکام میں مقتضائے وقت اور مقتضائے مقام کی رعایت نہیں کی جاتی اور جس کے معتقد انسانی طبیعت سے غافل ہو جاتے ہیں اور اُس کے پیرو اپنے متقدمین کے قرار دئے ہوئے احکام پر اکتفا کرکے ایک جگہ ٹھہر جاتے ہیں نہ اُنکے رموز اور اسرار پر غور کرتے اور نہ ان احکام کے نفاذ کے طریقوں کو سوچتے ہیں اُسکا یہی حشر ہوتا ہے۔

باوجودیکہ کنیسہ کی طرف سے سخت معارضہ ہوا۔ اور اُس نے اس بات کا اعلان کیا کہ جس شخص نے قانون کے مطابق طلاق دی ہے اُسکو دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ قانونی طلاق درحقیقت معتبر نہیں ہو سکتی۔ لیکن تاہم طلاق تمام مغربی قوموں کے قوانین میں داخل ہو گئی مگر وہ سوائے امریکن قوم کے جو ترقی کی کوششوں میں سب سے زیادہ پیش قدم ہے دیگر مغربی قوموں میں قبولیت کے اس درجہ کو نہیں پہونچی جس کی مستحق تھی اور نہ اُس کے احکام ایسی وسعت کے ساتھ بیان کئے گئے۔ امریکن قوم نے اپنے قوانین کے دروازے طلاق کے لئے کھول دئے اور دیگر قوموں کیطرح

اُسکو بعض خاص خاص حالات کے ساتھ مقید نہیں کیا۔

جو لوگ مغربی قوموں کے حالات سے واقف ہیں اُن کو معلوم ہے کہ تمام اہل مغرب رفتہ رفتہ احکام طلاق میں وسعت کی طرف مائل ہیں اور ضرور ہے کہ وہ ایک دن اس بات کا اقرار کرینگے کہ طلاق کا جواز جو ثبوت زنا کی حالت میں قرار دیا گیا ہے وہ قوم کی ضرورتوں کیلئے ناکافی ہے۔ اور طلاق اسوقت بالکل مباح قرار دی جاویگی جب کہ اُس کے اسباب زوجین کے درمیان پیدا ہو جائیں اور اُنکی مرضی پر منحصر کر دی جائے گی۔

اس میں شک نہیں کہ بغیر کسی قید کے طلاق کا مباح کر دینا ضرر سے خالی نہیں ہے لیکن یہہ ان مضرات میں سے ہے جن کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور جن کو مجبوراً اختیار کرنا پڑتا ہے اُس کے اختیار کرنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اُس کی منفعتیں اُسکی مضرتوں سے بہت زیادہ ہیں۔

ہم اس وسیع موضوع میں زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے کیونکہ ہم نے اس مختصر رسالہ میں حتی الوسع نظری مباحث سے اجتناب کیا ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ جو شخص قرآن مجید کی آیتوں پر غور کریگا جو طلاق اور اُسکے احکام پر مشتمل ہیں اُسکو معلوم ہوگا کہ خداوند تعالی نے مسلمانوں کو نہایت عظیم الشان نعمت عطا فرمائی ہے۔ اور وہ اس بات کا اقرار کریگا کہ قرآن مجید کی آیتیں انتہا درجہ کی حکمت پر مشتمل ہیں اور ہر چیز اسطرح بیان کی گئی ہے جسطرح کہ وہ ہونی چاہیئے تھی۔

سب سے پہلے جس امر پر غور کرنا لازمی ہے وہ یہہ ہے کہ ہماری شرع شریف نے مسئلہ طلاق میں ایک عام اصول قرار دیا ہے جسکی طرف احکام طلاق کے تمام

فروعات کو راجع ہونا چاہیئے اور وہ یہہ ہے کہ وطلاق فی نفسہ حرام ہے اور ضرورت کیلئے مباح ہے" قرآن مجید کی آیتون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثون اور ائمہ کے اقوال میں اسکے بے شمار شواہد موجود ہیں جن میں سے ہم بعض اس مقام پر نقل کرتے ہیں

خداوند تعالی فرماتا ہے کہ "اور اگر تم کو بی بی کسی وجہ سے ناپسند ہو تو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت خیر و برکت دے"

"وان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا"

اور نیز فرماتا ہے کہ "اور اگر تم کو میاں بی بی میں کھٹ پٹ کا اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کے کنبے میں سے مقرر کرو اور ایک پنچ عورت کے کنبے میں سے اگر پنچون کا دلی ارادہ میاں بی بی میں اصلاح کرا دینے کا ہو تو اللہ ان کے سمجھانے بجھانے سے دونوں میں موافقت کرا دے گا"

"وان خفتم شقاق بینہما فابعثوا حکما من اہلہ و حکما من اہلہا ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینہما"۔

اور نیز فرماتا ہے کہ "اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بی بی دونوں میں کسی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں اور اگر ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرو اور سخت گیری سے بچے رہو تو خدا تمھارے ان نیک کاموں سے

"وان امراۃ خافت من بعلہا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیہما ان یصلحا بینہما صلحا و الصلح خیر و احضرت الانفس الشح وان تحسنوا

وتتقوا فان اللہ بما تعلمون خبیرا" | باعث ہے سو وہ تم کو اسکا اجر دے گا"

حدیث شریف میں آیا ہے کہ خداوند تعالی کے نزدیک طلاق مبغوض ترین مباحات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بغیر ثبوت زنا کے تم اپنی بی بیوں کو طلاق نہ دو کیونکہ خدا چکھنے والوں اور چکھنے والیوں کو پسند نہیں کرتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نکاح کرو اور طلاق مت دو کیونکہ طلاق سے خدا کا عرش بھی ہل جاتا ہے۔

ابن عابدین کے حواشی میں وارد ہوا ہے کہ "اصل طلاق میں حرمت ہے" یعنی طلاق فی نفسہ حرام ہے مگر کسی عارض کی وجہ سے وہ مباح ہو جاتی ہے۔ یہی معنی ہیں فقہا کے اس قول کے کہ "اصل طلاق میں حرمت ہے اور اباحت صرف خلاص کی ضرورت سے ہے" پس اگر وہ بلا سبب دیجائے جس میں خلاص کی ضرورت نہ ہو تو وہ بالکل حماقت اور نادانی اور سراسر گدھاپن اور کفران نعمت اور عورت اور اُس کی اولاد اور عزیزوں کو تکلیف دینا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالی نے فرمایا ہے کہ "فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا" یعنی اگر وہ تمہاری اطاعت اور فرمانبرداری کریں تو طلاق دینے کا ارادہ نہ کرو"

جن لوگوں نے فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اگرچہ اُنھوں نے یہہ بات دیکھی ہوگی کہ بالعموم تمام ائمہ کی اس عظیم الشان اصول پر نظر گئی ہے جو حتی الامکان طلاق کے دائرہ کو تنگ کرنے والا ہے۔ لیکن تاہم اُنھوں نے یہہ بات بھی ضرور دیکھی ہوگی کہ ائمہ نے ایک خاص اور مساوی طریقہ کے مطابق فروعات میں اس اصول کو جاری نہیں کیا

اور نیز یہ کہ ائمہ کا اتباع کرنے والے فقہا نے طلاق کے مسئلہ کو نہایت وسعت دی ہے اور واقعات کو احکام کے ساتھ تطبیق دیتے ہیں اُن کا طریقہ کسی خاص وتیرہ کا پابند نہیں رہا۔ اور یہ اختلافات بالخصوص تین اہم مسائل میں دیکھا جاتا ہے جو زیادہ تر قابل غور و توجہ ہیں۔

منجملہ اُنکے پہلا مسئلہ وقوع طلاق صریح کا مسئلہ ہے جبکہ اُسکے ساتھ نیت نہ کی گئی ہو۔ اس مسئلہ میں بعض فقہا اور خصوصًا فقہائے حنفیہ نے اُس عام اصول کو نظرانداز کر دیا ہے جس پر اکثر شرعی احکام کی بنیاد رکھی گئی ہے اور جس کی کتاب اور سنت نے تصریح کی ہے اور جس کی بنیاد پر مجبور اور غافل اور مخطی کو غیر مکلف قرار دیا ہے۔ مگر فقہا نے طلاق کو اس عام اُصول کے دائرہ سے خارج رکھا ہے اور مجبور اور غلطی کرنیوالے اور ہنسی کرنیوالے اور مدہوش کی طلاق واقع ہونے کا حکم لگایا ہے حالانکہ وہ مدہوش کی یہ تعریف کرتے ہیں جو آسمان سے زمین کو تمیز نہ کر سکے۔

ظاہر ہے کہ ایسی رائے دینے والوں نے نیت کا اعتبار نہیں کیا جو مذہب اسلام کے احکام کی اصل اصول ہے جیسا کہ حدیث "انما الاعمال بالنیات" سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح ان فقہا نے شارع کی اس غرض کی طرف التفات نہیں کیا ہے کہ طلاق فی نفسہ حرام ہے اور وہ خدا کے نزدیک مبغوض ترین مباحات میں سے ہے۔ ایسے حالات میں طلاق کے نافذ ہونے کے انہوں نے کچھ اسباب بیان کئے ہیں جن کو اس مقام پر نقل کرتا ہوں اُن کی نسبت فیصلہ کرنا ناظرین کی رائے پر چھوڑتا ہوں میں نے کتاب الزیلعی میں دیکھا ہے کہ وہ ہنسی کرنے والے اور غلطی کرنے والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ اس صورت میں طلاق کا لفظ شوہر کی زبان پر جاری ہوا ہے اور

جو شخص طلاق پر مجبور کیا جاوے اُس کی طلاق بھی واقع ہوتی ہے کیونکہ اُس نے دو برائیوں میں سے ایک کو دانستہ اختیار کر لیا ہے مگر مدہوش کی طلاق واقع ہونے کا یہہ سبب ہے کہ اُس نے معصیت کا ارتکاب کیا اور وقوع طلاق اُسکے لئے بطور زجر و توبیخ کے ہے۔

لیکن الحمد للہ کہ دیگر اسلامی مذاہب میں اُس کے برخلاف بھی احکام پائے جاتے ہیں جو اصول شریعت اور مصلحت عامہ کے بالکل مطابق ہین۔ جو لوگ اصلاح کے خواستگار ہیں اُنکو مناسب ہے کہ وہ ان احکام پر عمل درآمد کریں اور قرار دیں کہ جو طلاق ایسے حالات میں دی جاوے وہ نافذ نہ ہوگی۔

دوسرا مسئلہ یہہ ہے کہ طلاق جس کی قرآن مجید نے تصریح کی ہے وہ ایک اور رجعی ہے۔ خداوند تعالی نے فرمایا ہے

"یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن و احصوا العدة واتقوا الله ربکم لا تخرجوهن من بیوتهن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشة مبینة وتلک حدود الله	"اے پیغمبر مسلمانوں سے کہو کہ جب تم اپنی بی بیوں کو طلاق دینی چاہو تو ان کو اُن کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور طلاق کے بعد ہی سے عدت گننے لگو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو۔ عدت میں اُن کو اُنکے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں مگر یہہ کہ کُھلم کُھلا بے حیائی کا کام کر بیٹھیں تو اُن کے نکال دینے کا مضائقہ نہیں اور یہہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں۔

ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك امرا فاذا بلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف واشهدوا ذوي عدل منكم"

اور جس شخص نے اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے قدم باہر رکھا تو اُس نے آپ ہی اپنے اوپر ظلم کیا (اے شخص جو بی بی کو طلاق دیتا ہے) تو نہیں جانتا کہ شاید اللہ طلاق کے بعد ملاپ کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ پھر جب عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کو آئیں تو یا تو رجوع کر کے سیدھی طرح ان کو اپنی زوجیت میں رکھے رہو یا سیدھی طرح ان کو رخصت کرو اور جو کچھ بھی کرو اپنے لوگوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ کر لو"

اور نیز خدا فرماتا ہے کہ "وبعولتهن احق بردهن في ذلك ان ارادوا اصلاحا" اور ان کے شوہر اگر ان کو اچھی طرح رکھنا چاہیں تو وہ اس اثنا میں انکو اپنی زوجیت میں واپس لینے کے زیادہ حقدار ہیں"

لیکن فقہا نے طلاق کو دو قسموں پر منقسم کیا ہے ایک صریح اور دوسری بالکنایہ اور یہ قرار دیا ہے کہ طلاق صریح سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اگرچہ اُس نے ایک سے زیادہ یا ایک بائنہ کی نیت کی ہو۔ لیکن بالکنایہ کی صورت میں ایک بائن واقع ہوتی ہے جسکے بعد رجعت نہیں ہو سکتی اور بغیر عقد جدید کے پھر بی بی حلال نہیں ہو سکتی ہے مگر بعض خاص الفاظ کی صورت میں جن کو انہوں نے مستثنیٰ کیا ہے اور نیز طلاق کنایہ کی حالت میں اگر تین کی نیت کی ہو تو تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں۔

لیکن دیگر مذاہب میں جیسا کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب ہی پایا جاتا ہے کہ

وہ تمام طلاقین جو بالکنایہ دی جائیں رجعی ہیں - یہہ امر کہ یہی مذہب حق ہے ظاہر ہے کیونکہ طلاق ہر حالت میں طلاق ہے اور وہ مرد اور عورت کے باہمی تعلق کا جدا کرنا ہے - پس اس معنی کی نسبت الفاظ کا اختلاف صرف اختلاف تعبیر ہے جس کی وجہ سے احکام مختلف نہیں ہو سکتے - اور اگر خاصکر اس مسئلہ میں الفاظ کے اختلاف سے احکام کا اختلاف تسلیم بھی کر لیا جاوے تاہم مناسب اور عقل کے مطابق تو یہہ تھا کہ طلاق کنایہ کا حکم طلاق صریح کے حکم کی نسبت بہت زیادہ خفیف ہوتا -

تیسرا مسئلہ یہہ ہے کہ اکثر مذاہب متفق ہیں کہ تین طلاقیں جو متفرق طور پر ایک حیض میں دی جائین یا دفعتاً دی جائیں اور ایک لفظ کے ساتھہ دی جائیں ان سب صورتوں میں تین طلاقین واقع ہونگی - حالانکہ یہہ طلاق اس قسم کی ہے جس کی نسبت فقہا نے اعتراف کیا ہے کہ وہ بدعی ہے یعنی قرآن مجید اور حدیث شریف کے خلاف ہے - بدعی طلاق کا تصور اس کیفیت کے ساتھہ جو فقہا نے قرار دی ہے ناممکن ہے حالانکہ قرآن مجید کی صریح آیتیں فقہا کی تاویل کا انکار کرتی ہیں - خداوند تعالی فرماتا ہے " الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تصریح باحسان " اس آیت کی تفسیر میں کتاب حسن الاسوۃ میں وارد ہوا ہے کہ " خداوند تعالی نے مرتان فرمایا اور طلقتان نہیں فرمایا یہہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ طلاق اول ایک مرتبہ اور پھر اسکے بعد دوسری مرتبہ ہونا چاہیئے نہ کہ ایک ہی مرتبہ دو طلاقیں دی جائین - مفسرین کی ایک جماعت نے ایسا ہی فرمایا ہے " اور نیز اسی کتاب میں وارد ہوا ہے کہ اہل علم اس مسئلہ میں مختلف ہیں کہ جب تین طلاقیں دفعتاً واحدۃ دی جائیں تو آیا صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے یا تین - اس مسئلہ میں جمہور فقہا کی رائے یہہ ہے کہ تین واقع ہوتی ہیں اور اسکے ماسوا دیگر علماء کا یہہ خیال ہے کہ ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور یہی حق ہے -

علامہ شوکانی نے اس کو نہایت وضاحت کے ساتھ مدلل طور پر ثابت کیا ہے اور اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اسی طرح حافظ ابن القیم نے "اغاثۃ اللھفان" اور "اعلام الموقعین" میں اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے۔

ابن عابدین میں وارد ہوا ہے کہ "امامیہ سے منقول ہے کہ تین لفظوں سے اور حیض کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ یہہ بدعت محرمہ ہے - ابن عباس سے مروی ہے کہ ایسی حالت میں صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور یہی قول ہے ابن اسحاق اور طاؤس اور عکرمہ کا - کیونکہ مسلم میں وارد ہوا ہے کہ ابن عباس نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نبوت اور زمانہ خلافت اولی میں اور دو برس تک حضرت عمرؓ کی خلافت میں یہہ معمول تھا کہ جب دفعتہً واحدۃً تین طلاقیں دی جائیں تو ایک طلاق واقع ہوتی تھی - عمرؓ نے فرمایا لوگ ایسے کام میں عجلت کرنے لگے ہیں جس میں ان کو آہستگی برتنی چاہئے تھی پس اگر ہم اسکو نافذ کر دیں تو مناسب ہوگا اور آپ نے اُسکو نافذ قرار دیا" جمہور صحابہ اور تابعین اور اُنکے بعد ائمہ مجتہدین کی یہی راے ہے کہ ایسی حالت میں تین طلاق واقع ہوتی ہیں "فتح القدیر" میں اُن احادیث کے نقل کرنے کی بعد جو اُس پر دلالت کرتی ہیں لکھا ہے کہ یہہ اس سے معارض ہے جو پیشتر گذر چکا ہے مگر حضرت عمر کا تین طلاقیں نافذ کرنا باوجود اس بات کے جاننے کے کہ وہ ایک ہے اور صحابہ کا اُنکے ساتھ مخالفت نہ کرنا ممکن نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ ان کو اس وقت کسی ناسخ کی اطلاع ہوئی ہو یا اُن کو معلوم ہو کہ اِس حکم کی مدت ختم ہو گئی ہے یا ایسے وجوہ معلوم ہوں جن سے اس حکم کا متاخر زمانہ میں موقوف ہو جانا معلوم ہوا ہو بعض حنابلہ کا قول ہے کہ جسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو ایک لاکھ صحابی آپکے دیکھنے والے موجود تھے۔

پس کیا حکو ان سے یا اُنکے ھزاروں حصہ سے یہہ قول صحت کے ساتھ پہونچا ہے کہ تین طلاقیں واقع ہونا باطل ہے۔ اول تو اُن کا اجماع ظاہر ہے کیونکہ کسی صحابی کا حضرت عمرؓ کی مخالفت کرنا منقول نہیں ہے جبکہ اُنھون نے تین طلاقون کا حکم نافذ کیا تھا۔ ایک لاکھہ صحابیون کا اجماعی حکم نقل کرنے کے لئے یہ بات ضروری نہیں کہ بڑی بڑی ضخیم جلدون میں اُن تمام شخصون کا نام لکھا جاوے۔ پس لامحالہ اُنکے سکوت سے اجماع ثابت ہوتا ہے"

اس مسئلہ میں اسقدر احادیث وارد ہوئی ہیں جنکو دیکھنے کے بعد کچھہ بھی شک و شبہہ باقی نہیں رہتا کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے صرف ایک واقع ہوتی ہے۔ بلوغ میں لکھا ہے "ابن عباس نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ فلان شخص نے اپنی بی بی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دیں، آپ نہایت غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ آیا وہ شخص کتاب اللہ کے ساتھ مسخراپن کرتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہون۔ اس حدیث کو قرطبی نے ذکر کیا ہے اور نسائی نے بھی اُس کو روایت کیا ہے" اور نیز کتاب مذکور میں وارد ہوا ہے کہ "اہل ظاہر اور علمار کی ایک جماعت جس میں شیعہ بھی ہیں اسطرف گئی ہے کہ جب ایک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے کیونکہ ابن عباس سے مروی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ تین طلاقین عہد نبوت اور عہد خلافت اولی میں اور دو سال خلافت ثانیہ میں ایک طلاق سمجھی جاتی تھی حضرت عمر نے اُسکو نافذ فرمایا۔ اس حدیث کو مسلم اور بخاری نے روایت کیا ہے۔ ابن اسحاق عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے فرمایا کہ رکانہ ابن عبد یزید نے اپنی بی بی کو تین طلاقین دیں اور اسکے بعد وہ اپنی اس حرکت پر نہایت غمگین اور پشیمان ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے اُس سے پوچھا کہ تو نے کسطرح طلاق دی ہے اُس نے عرض کیا کہ ایک جلسہ میں تین طلاقیں دی ہیں آپ نے فرمایا کہ یہہ ایک طلاق ہے تو رجعت کر لے"

ہمارے ناظرین جب ان عبارتوں پر غور کرینگے جن کو ہمنے اوپر نقل کیا ہے اُن کو معلوم ہوگا کہ ابن حنبل جیسے عظیم الشان مذہب کے علماء نے حضرت عمرؓ کے فیصلہ پر عمل نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے قرآن مجید کی آیتوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو اپنا دلیل راہ اور پیشرو ٹھیرایا ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ کا سبب بیان کیا ہے کہ "لوگ ایسے کام میں جلدی کرنے لگے ہیں جس میں اِن کو آہستگی برتنی چاہیے تھی" پس گویا کہ عمرؓ نے اِن کو روکنے کی غرض سے بطور سزا کے اس طلاق کو نافذ قرار دیا ہے اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ کے اجتہاد سے کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوا مگر یہہ کہ عام لوگ تین طلاقوں کے بک دینے کے عادی ہو رہے ہیں اور اُس کو اپنی قسموں اور حلفوں اور عام بول چال میں استعمال کرنے لگے ہیں۔

جو لوگ اصلاح کے خواستگار ہیں وہ اس مسئلہ میں مذہب امامیہ کی پیروی کیوں نہیں کرتے جس کو ابن عابدین نے نقل کیا ہے حالانکہ یہہ ائمہ اہل بیت کا مذہب ہے جیسا کہ اسکے اس قول میں اوپر بیان ہو چکا ہے کہ "تین طلاقوں سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور نہ حیض کی حالت میں واقع ہوتی ہے کیونکہ یہہ بدعت محرمہ ہے"

اگر ناظرین مجھکو اجازت دیں کہ میں اس مسئلہ میں اپنی رائے ظاہر کروں جسکو میں بالکل صحیح اور درست سمجھتا ہوں تو میں یہہ عرض کروں گا کہ میں ہرگز یہہ خیال نہیں کر سکتا کہ محض ایک لفظ کے زبان سے نکالنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ وہ کتنا ہی صریح ہو۔ بیشک شرعی اعمال کے لیئے لفظوں کی ضرورت ہوتی ہے اسلیئے کہ اگر ہم کسی عقد کو توڑنا چاہیں تو ہمکو معلوم ہوگا

کہ وہ ایک ارادہ کے ظاہر ہونے یا دو ارادوں کے باہم مطابق ہونے سے مرکب ہے جس پر یا جن پر ایسے الفاظ سے استدلال کیا گیا ہے جو منھہ ور منھہ یا کتابت کے ذریعہ سے ادا کیے گئے ہیں۔ لہذا میری یہ غرض نہیں ہے کہ الفاظ سے قطعًا استغنا ہے بلکہ میری غرض یہہ ہے کہ شرعی اعمال میں لفظوں کی طرف التفات صرف اس حیثیت سے کیا جاتا ہے کہ وہ نیت پر دلالت کرتے ہین۔

اس سے بداہتہ یہہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس امر کا یقین کرنا ضروری ہے کہ طلاق ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ سے قید نکاح کے اُٹھا دینے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اور اس سے حتمی طور پر یہہ بات لازم آتی ہے کہ شوہر حقیقتًا اس بات کی نیت رکھتا ہو اور اُس کا صاف صاف ارادہ ہو کہ وہ اپنی بی بی کو علحدہ کرنا چاہتا ہے۔ نہ یہہ کہ جو فقہا نے خیال کیا ہے جبکی اُنھون نے اپنی کتابون مین تصریح کی ہے کہ طلاق نام ہے حروف (ط ل ا ق) کے زبان سے نکال لینے کا۔

جو شخص فقہا کی کتابون کا مطالعہ کرتا ہے تو اُس کو سخت حیرت ہوتی ہے جبکہ وہ ان کو الفاظ کی تاویل اور اولٹ پلٹ کرتے اور اشخاص سے قطع نظر کر کے محض بذاتہ الفاظ کے معانی کے سمجھنے میں غایت درجہ کی نازک خیالی کا اظہار کرتے دیکھتا ہے فقہا کے نزدیک مسلم ہے کہ جسوقت کوئی لفظ زبان سے نکلا تو فورًا اُس پر شرعی اثر ہوگا یہی وجہ ہے کہ اُنکی تمام بحثیں کلمات اور حروف پر محدود ہیں اور اُنکی کتابیں " طلقتك وانت طالق وانت مطلقة وعلى الطلاق وطلقت رحلك او أسك او عرقك " وغیرہ وغیرہ کے معانی کی تحقیق سے لبریز ہیں اور یہہ اہم مسئلہ صرف لفظی اور ترکیبی بحث کا مسئلہ بن گیا ہے جو شاید لغت یا نحو کے لیے کچھ مفید ہو لیکن وہ علم فقہ میں قطعًا کسی قسم کا فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔

ہم یقین کرتے ہیں کہ علوم شرائع میں تاویل الفاظ کے علاوہ دیگر مباحث کی بھی گنجایش
ہے اور طلاق فی نفسہ ایک ایسا شرعی عمل ہے جس سے بہت سے حقوق متروک اور بہت
سے جدید حقوق پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ فی حد ذاتہ بلحاظ اہمیت کے نکاح سے کسیطرح
کم نہیں ہے اسلئے کہ تمدن کے بڑے بڑے معاملات جیسے نسب، میراث، نفقہ، اور نکاح
اُسکے ساتھ تعلق رکھتے ہیں پس اسکی طرف سے اسقدر لاپروائی برتنا درحقیقت ایک ایسا امر
ہے جسکو دیکھکر وہ تمام لوگ حیران ہونگے جو ان فرائض سے کسی قدر سطحی اور سرسری واقفیت
بھی رکھتے ہیں جو شریعتیں دنیا میں ادا کرتی ہیں۔

اگر ہمارے فقہا لفظی بحثوں میں نہ پڑتے اور جو احکام وہ مقرر کرتے ہیں اُنکے ماخذ کی
نسبت بحث کرتے اور اُنکے تاریخ اور اسباب میں غور و خوض کرتے اور مختلف مذاہب کا ایک
دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرکے ان پر نکتہ چینی کرتے غرضکہ وہ اصلی علم فقہ میں مشغول
ہوتے تو اُنکو معلوم ہو جاتا کہ طلاق ہرگز طلاق نہیں ہو سکتی جب تک کہ اُسکے ساتھ انفصال کی نیت نہو۔

جو شخص اسلامی شریعت کی کتابوں پر نظر ڈالیگا تو یقیناً بعض اسقسم کی رائیں بھی اُس کی نظر
سے گذرینگی کہ طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک کہ اُس کے ساتھ انفصال کی نیت نہو شرح
التلقین سے نقل کیا گیا ہے کہ "اگر کوئی مرد اپنی بی بی کو غصے یا نزاع کی حالت میں ایک
کلمہ یا چند کلمات کے ساتھ طلاق دے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوتی" اور اس بارہ میں اُنھوں
نے بہت سی احادیث روایت کی ہیں منجملہ اُنکے حضرت علی کا یہ قول ہے کہ "جو شخص
غصے یا جھگڑے کی طلاق کی وجہ سے شوہر اور اُس کی بی بی کے درمیان تفریق کریگا تو خدا
قیامت کے دن اُسکے اور اُس کے دوستوں کے درمیان جدائی ڈالیگا"

جس شخص نے یہ قول نقل کیا ہے اگرچہ اُس نے اس کی تردید اور ابطال میں بیحد

کوشش کی اور بہت ہی زور لگایا ہے لیکن جو اصلاح کے خواستگار ہیں اُنکو چاہیئے کہ شریعت کی کتابوں کی ورق گردانی کریں اور مختلف فقہائی آرا پر اطلاع حاصل کریں اور خصوصاً ان پہلوؤں کو اخذ کریں جن سے اُس عظیم الشان فساد کا محو ہونا ممکن ہو جو بالعموم قوم کے لیئے نقصان دہ اور مضرت رسان ثابت ہو رہا ہے۔

ہم ایسے زمانہ میں ہیں جبکہ لوگ طلاق کے الفاظ کو بطور تہ بیان اور یاوہ گوئی کے بولنے کے عادی ہو رہے ہیں۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ ایک شخص دوسرے سے جھگڑا کرتا ہے اور اُس سے کہتا ہے کہ اگر تو نے ایسا کیا تو میری بی بی پر طلاق ہے اور وہ اُسکے خلاف کرتا ہے اس صورت میں علماء کی طرف سے یہہ فتوی ملتا ہے کہ طلاق واقع ہو گئی اور زناشوئی کا تعلق منقطع ہو گیا۔ حالانکہ اُس کی بی بی غریب کو اس واقعہ کی خبر نہیں ہوئی وہ نہ اپنے شوہر سے بغض و نفرت رکھتی ہے اور نہ وہ اُس سے جدائی کی خواستگار ہوتی ہے بلکہ اکثر اوقات اُس کے لیئے یہہ جدائی سخت ناقابل برداشت مصیبت ہوتی ہے۔ اسیطرح مرد بھی اکثر اوقات اپنی بی بی کے ساتھ محبت کرنیوالا ہوتا ہے جب اور ایک ایسے لفظ کی وجہ سے جو نقصان کی نیت سے نہیں بولا گیا تھا بلکہ دوسرے شخص پر ایک کام لازم کر دینے کی نیت سے کہا گیا تھا وہ اُس سے جدا ہو جاتی ہے تو وہ سخت رنج و عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شوہر بعض خانگی اُمور میں اپنی بی بی سے جھگڑا کرتا ہے اور غصہ کے وقت لفظ طلاق اُس کی زبان سے نکل جاتا ہے جس سے صرف تہدید اور تخویف مقصود ہوتی ہے اور رشتہ زناشوئی کا منقطع کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں بھی یہی فتوی ملتا ہے کہ طلاق واقع ہو گئی اور اس کے بعد ان دونوں پر وہ تمام بلائیں اور مصیبتیں

نازل ہوتی ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا۔

اکثر ایسا دیکھا جاتا ہے کہ ایک گنوار کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور جب گانوں کا مقدم یا پولیس کا مہتمم اسٹیشن اُس سے دریافت کرتا ہے تو وہ انکار کرتا ہے اور طلاق کی قسم کھاتا ہے کہ میں نے نہیں چرایا حالانکہ اُس نے چرایا ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کہا جاتا ہے کہ طلاق واقع ہوگئی حالانکہ اس قسم سے وہ صرف اپنے آپ کو بری کرنا چاہتا ہے اِسکے سوا اور کوئی اُس کی نیت نہیں ہوتی اور اِس حلف کے وقت اُس کے دل میں خطرہ بھی نہ گزرا تھا کہ وہ اپنی بی بی سے ناراض ہے اور اُس کے ساتھ معاشرت کرنا ناپسند کرتا ہے

پس ایسی حالت میں جبکہ عام طور پر اخلاق فاسد ہو گئے ہیں اور عقلوں میں ضعف اور فتور پیدا ہو گیا ہے کیونکر مناسب نہ ہوگا کہ بعض ائمہ کے اس قول پر عملدرآمد کیا جاوے کہ طلاق کے واسطے بھی دو آدمیوں کی گواہی شرط ہے جسطرح کہ وہ نکاح کے لئے شرط ہے جیسا کہ طبرسی نے بیان کیا ہے اور جیسا کہ اُس آیت سے معلوم ہوتا ہے جو سورہ طلاق میں آئی ہے جس کے اخیر میں یہہ الفاظ ہیں " واشهدوا ذوی عدل منکم"۔

کیا یہہ شہادت کا صریح حکم نہیں ہے جو ان تمام امور کو مثلاً طلاق، رجعۃ، امساک اور فراق کو شامل ہے جو اُس سے پہلے مذکور ہوئے ہیں؟ کیا شارع کا یہہ منشاء نہیں کہ طلاق کا واقعہ عام لوگوں میں مشہور ہونا چاہیئے تاکہ اُس کا ثابت کرنا آسان ہو؟ ہم کس لئے یہہ بات قرار نہ دیں کہ طلاق کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے جس کے بغیر طلاق صحیح نہ ہوگی۔ اس طریقہ سے اُن تمام طلاقوں کا سدباب ہو جائیگا جو بلا قصد و بلا ارادہ محض غصہ کے وقت ایک کلمہ کے زبان سے نکلنے کے باعث واقع ہو جاتی ہیں۔

مجھکو یقین ہے کہ اس حکم پر عملدرآمد کرنا درحقیقت قرآن کے حکم کی موافقت اور قوم کی مصلحت

کی رعایت ہے بے شک خداوند تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس زمانہ میں اُمت اِس نوبت کو پہونچ جاویگی اُس نے یہہ آیت نازل فرمائی تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے۔ اور بے شک ہماری حالت ایسی ہے کہ ہم کو اس آیت سے کام لینا چاہیئے۔

بلکہ اگر گورنمنٹ یہہ چاہتی ہے کہ قوم کے لئے کوئی بہتری کا سامان مہیا کرے تو اُس کا فرض ہے کہ وہ طلاق کے لئے حسب ذیل قانون نافذ کردے۔

دفعہ اوّل

جو شوہر اپنی بی بی کو طلاق دینا چاہتا ہو اُس کا فرض ہے کہ وہ قاضی یا اُس کے ایجنٹ کے حضور میں حاضر ہو اور وہ جھگڑا بیان کرے جو اُسکے اور اسکی بی بی کے درمیان واقع ہوا ہو

دفعہ دوم

قاضی یا اُسکے ایجنٹ کو لازم ہے کہ وہ شوہر کو اُن اُمور کی ہدایت کرے جو قرآن اور حدیث میں وارد ہوئے ہیں کہ طلاق خدا کے نزدیک سخت ناپسند ہے۔ اور طلاق کے ناگوار نتائج کو بیان کرکے جو آیندہ پیش آنے والے ہیں اُسکو نصیحت کرے اور اُسکو حکم دے کہ وہ اِس بارہ میں ایک ہفتہ غور و فکر کرلے۔

دفعہ سوم

اگر شوہر ایک ہفتہ گذرنے کے بعد بھی طلاق دینے کے ارادہ پر قایم رہے تو قاضی یا اُسکے ایجنٹ کو لازم ہے کہ ایک پنچ بی بی کے کنبے سے اور ایک شوہر کے کنبے سے یا دو معتبر اجنبی شخص

(اگر اُن کے عزیز و قریب نہوں) اس غرض سے بھیجے تاکہ وہ بی بی اور شوہر کے مابین صلح کرادیں۔

دفعہ چہارم

اگر پنچوں کو بھی صلح کرادینے میں کامیابی نہ ہو تو انکو لازم ہے کہ وہ اپنا بیان قاضی یا اُسکے ایجنٹ کے روبرو پیش کریں اور اُسوقت شوہر کو قاضی طلاق دینے کی اجازت دیگا۔

دفعہ پنجم

کوئی طلاق صحیح نہوگی جب تک کہ وہ قاضی یا اُسکے ایجنٹ کے روبرو اور دو گواہوں کی موجودگی میں نہ دیجائے۔ اور معمولی دستاویز کے بغیر اُس کا ثبوت نہیں قبول کیا جاویگا۔

جو شخص ان آیتوں پر جو شاہد اور پنچ مقرر کرنے کی نسبت وارد ہوئی ہیں غور کریگا اُسکو معلوم ہو جاوے گا کہ ایسا قانون جیسا کہ یہہ ہے شریعت کی مصلحتوں پر پوری طرح منطبق ہے اور کسی طرح اُسکے خلاف نہیں ہے۔ اس قانون پر کوئی شخص یہہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ ایسا قانون شوہر کے اُس حق میں دست اندازی کرتا ہے جو اُسکو طلاق دینے کا حاصل ہے۔ کیونکہ شوہر کے لئے اب بھی طلاق کا حق بدستور باقی ہے۔ اور نکاح کے تعلق کا باقی رکھنا یا اُسکو توڑ دینا صرف اُسکی مرضی پر منحصر ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہہ امر ہے کہ طلاق سے پیشتر تحکیم اور نصیحت کی شرط لگادی ہے جس سے شوہر کے حقوق پر کسی قسم کی دست اندازی نہیں ہوتی بلکہ وہ غور و فکر کا ایک ذریعہ ہے جو بی بی اور اُس کے بچوں بلکہ خود شوہر کی مصلحت کیلئے قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ ہم نے اکثر شوہروں کو دیکھا ہے کہ وہ باہمت ہو کے طلاق دے کر پچھتاتے اور پھر نہایت کمینہ اور دنی حیلوں کے استعمال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ہمارے علماء اور فقہا خیال فرما سکتے ہیں کہ اس سیدھے سادے طریقہ سے قوم کو بہت بڑا فائدہ حاصل ہوگا وہ یہ ہے کہ طلاق کی تعداد کم ہو جاویگی۔ اسکے علاوہ حکم الٰہی کا اتباع اور تحکیم کے نہایت اہم حکم کا عملدرآمد ہوگا جو اسوقت تک معطل رہا ہے اور جس کا نافذ ہونا کبھی نہیں سنا گیا۔ خصوصاً ہماری قوم میں جس کی افراد کے اخلاق یہاں تک فاسد ہوگئے ہیں کہ مرد طلاق کی قسم کھا لیتا ہے حالانکہ وہ کھاتا پیتا چلتا پھرتا ہنستا بولتا اور جھگڑا کرتا اور حالانکہ اُس کی بی بی غریب گھر کی چار دیواری میں بیٹھی ہوتی ہے اُس بے خبر کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ اُس کے شوہر کو دوسرے شخص کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا۔

شہر قاہرہ کے گذشتہ اٹھارہ سال کی طلاق کی اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ ۵۰ فیصدی عورتوں کو طلاق دی جاتی ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سنہ	نکاح	طلاق
۱۲۹۸	۱۳۶۰۱	۴۹۰۲
۱۲۹۹	۴۹۰۰	۴۱۵۱
۱۳۰۰	۴۳۵۰	۴۶۴۸
۱۳۰۱	۴۴۰۰	۴۰۰۰
۱۳۰۲	۴۰۰۰	۵۲۵۰
۱۳۰۳	۴۲۴۹	۵۵۰۰
۱۳۰۴	۴۸۵۰	۴۶۹۸
۱۳۰۵	۴۲۴۹	۵۳۵۰

سنہ	نکاح	طلاق
۱۳۰۶	۵۰۰۰	۵۹۵۰
۱۳۰۷	۵۷۰۰	۴۷۰۰
۱۳۰۸	۶۶۵۰	۵۹۰۰
۱۳۰۹	۶۹۰۰	۵۵۴۸
۱۳۱۰	۷۱۰۰	۵۸۴۷
۱۳۱۱	۷۴۰۰	۵۲۸۱
۱۳۱۲	۸۲۵۰	۴۶۵۰
۱۳۱۳	۱۴۴۵۰	۴۶۰۰
۱۳۱۴	۸۱۵۰	۴۳۰۰
۱۳۱۵	۸۱۴۸	۴۰۰۰

میں اس مقام پر نکاح اور طلاق کے ایک دوسرے اعداد نقل کرتا ہوں جو سنہ ۱۸۹۸ء میں
تمام ممالک مصر کے نکاح و طلاق کی تعداد کو ظاہر کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

سنہ	نکاح	طلاق
۱۸۹۸	۱۲۰۰۰	۳۲۰۰۰

ان اعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصدی ۲۵ عورتوں کو طلاق دیجاتی ہے اور ۷۵
باقی رہتی ہیں - یہہ نتیجہ اگرچہ پہلے نتیجہ سے اچھا ہے جسکا سبب یہہ ہے کہ اس میں زیادہ تر
دیہات کے لوگ شامل ہیں جو شہریوں کی طرح طلاق دینے کے عادی نہیں ہوتے مگر
تاہم یہہ دونوں اعداد اس امر کی قوی دلیل ہیں کہ ہماری قوم کے خاندانوں کا حال نہایت کمزور

اور مضمحل ہو رہا ہے اور انکی عمارت کسقدر جلد منہدم ہو جاتی ہے۔

اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ جب عورت تعلیم و تربیت حاصل کر کے اپنے حقوق سے واقف ہو جاویگی تو وہ ہرگز اس بات کو منظور نہ کرے گی کہ اُسکے ساتھ سختی اور درشتی یا توہین اور تحقیر کے ساتھ برتاؤ کیا جاوے جسطرح کہ جاہل ہونے کی حالت میں کیا جاتا ہے۔ اور اسوقت مردوں کو بھی خود بخود اس بات کا شعور پیدا ہو جائیگا کہ طلاق کا اختیار جو خدا نے اُن کے ہاتھ میں سپرد کیا ہے اُسکو سوائے ایسی سخت ضرورت کے جس کے لئے طلاق جائز قرار دی گئی ہے استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔ پس عورتوں کی تعلیم و تربیت بھی ایک ایسا امر ہے جو ہمارے اخلاق کی اصلاح اور ہماری زبانوں کی تادیب میں معاون ہوگا کیونکہ مرد جاہل عورت کی توہین و تحقیر کرتا ہے لیکن جب وہ کسی عورت کو عقیل و فہیم اور صاحب اخلاق حمیدہ پاتا ہے تو برخلاف اپنے ارادہ کے اُسکی تعظیم و تکریم کرنے اور اُسکے روبرو اپنی زبان کو لگام دینے پر مجبور ہوتا ہے اور اُسکے تمام حقوق ادا کرتا ہے۔

لیکن ہمکو مناسب نہیں کہ ہم اُس زمانہ کے منتظر رہیں جب کہ ہماری قوم کی عورتیں تربیت پاکر تہذیب اور شایستگی کے اُس درجہ پر پہونچ جائیں کہ مردوں کے دل اُنکی تعظیم اور احترام سے لبریز ہو جائیں۔ بلکہ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ ایسے وسائل میں غور و خوض کرتا رہے جن سے طلاق کے نقصانات میں کمی ہو یہاں تک کہ وہ مقصود حاصل ہو جائے جو تمام مقاصد کا اصل اصول ہے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ مذاہب اسلامیہ میں بحیثیت مجموعی ایسے احکام موجود ہیں جنکی رعایت کرنا ہماری بہبودی اور ترقی کا ذریعہ ہو سکتا ہے اور کم از کم مفاسد سے حفاظت ہو سکتی ہے۔ غرضکہ اُنکے ذریعہ سے نظام خاندان کی تکمیل ہو گی اور عورت

نہایت راحت اور اطمینان سے ساتھ زندگی بسر کریگی اور اسکو یہ وقت اپنے ونہت جو اسکو خاندان میں حاصل ہے گرجانے کا خطرہ نہ رہیگا۔

لیکن ہمکو اس بات پر غور کرنا بھی ضروری ہے کہ ہم طلاق کے دائرہ کو کتنا ہی تنگ کردیں لیکن یہہ ممکن نہیں کہ عورت کو وہ عزت اور احترام حاصل ہوسکے جسکی وہ مستحق ہے بلکہ یہہ تو اس صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ عورت کو بھی طلاق کا اختیار دیا جاوے۔ اور خوش قسمتی سے ہماری شریعت ان تمام امور کی مانع نہیں ہے جو ہم عورتوں کی ترقی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ عورت کو طلاق کا اختیار دیا جانا دو طرح پر ہوسکتا ہے۔

اول یہہ کہ حنفی مذہب کے سوا دوسرے مذہب کے مطابق عملدرآمد کیا جاوے۔ اسلئے کہ حنفی مذہب نے عورت کو ہر حالت میں طلاق کے اختیار سے محروم رکھا ہے۔ فقہا حنفیہ کا قول ہے کہ وہ چونکہ عورتیں ناقصات العقل اور ناقصات الدین ہیں اور ان پر ہوا و ہوس زیادہ تر مسلط ہے اس لئے طلاق کا حق انکو نہیں دیا گیا، حالانکہ یہہ اسباب جو فقہا نے بیان کئے ہیں باطل ہیں۔ اس لئے کہ عورتوں کی یہہ حالت اگر زمانہ گذشتہ میں تھی تو یہہ کیا ضرور ہے کہ آئندہ میں بھی یہی صورت باستو باقی رہی اور نیز اس لئے کہ اکثر مرد عقل اور دین کے نقصان اور ہوا و ہوس کے تسلط کے لحاظ سے عورتوں سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ اسکی دلیل یہہ ہے کہ ہم نے فرانس کی اعداد طلاق میں دیکھا ہے کہ سنہ ۱۸۹۵ء میں فرانسیسی محکمون نے ۹۰۸۵ مقدمات طلاق کی نسبت فیصلہ صادر کیا منجملہ انکے تقریباً ... مقدمات میں عورتوں کو ڈگری دیگئی کیونکہ ان مقدمات میں یہہ بات ان عدالتوں کو ثابت ہوگئی کہ مردون کا قصور ہے۔

یہہ کسی طرح ممکن نہیں کہ کوئی عادل شریعت جیسی کہ ہماری شریعت ہے عورت کو ان تمام وسائل سے محروم رکھے جنکے ذریعہ سے وہ ایسے شوہر کے پنجہ سے نجات حاصل کرسکے جس کے ساتھ وہ زندگی

بسر نہیں کر سکتی مثلاً وہ شریر فاسق، بدکار اور نا ہنجار ہے یا جرائم پیشہ یا دیگر رذیل اور بے حیایانہ صفات کے ساتھ متصف ہے جسکے ساتھ کوئی پارسا اور صاحب ذوق سلیم عورت معاشرت نہیں کر سکتی

مالکی مذہب نے عورت کو بھی طلاق کا حق عطا کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ اگر اُسکو مرد کی طرف سے کسی قسم کا ضرر پہونچے تو اُس کو اختیار ہے کہ وہ اپنا معاملہ قاضی کے روبرو پیش کرے۔

کتاب البہجہ فی شرح التحفہ جو ابوالحسن التسولی کی تصنیف ہے اُس میں لکھا ہے کہ "جو زوجہ نکاح میں ہے اگر ثابت ہو جائے کہ اُسکو اُس کے شوہر نے اُن وجوہ سے نقصان پہونچایا جو اوپر گذر چکی ہیں حالانکہ نکاح کے وقت نقصان پہونچانے کی شرط نہیں ٹھیری تھی مثلاً یہہ کہ اُسکو مارا تو ایسی حالتوں میں اختیار عورت کے ہاتھہ میں ہوگا۔ اور حاکم کے نزدیک نقصان کے ثابت ہو جانے کے بعد عورت کو کہا جائیگا کہ وہ اپنے نفس کو طلاق دے لے۔ اور یہہ طلاق واقع ہو جائیگی اور شوہر کی اجازت پر موقوف نہ رہیگی۔ اور کہا گیا ہے کہ جب وقت طلاق کی شرط بھی ٹھیری ہو اُسوقت بھی عورت کو اُسکے واقع کر دینے کا اختیار ہے مگر اس معاملہ کو حاکم کے روبرو پیش کرنیکے بعد اور نیز اس امر کے بعد کہ قاضی شوہر کو مناسب تنبیہہ کرے مثلاً مارے یا قید کرے اور شوہر اُسکو نقصان پہونچانے سے باز نہ آوے حاکم کے روبرو معاملہ پیش کرنے اور حاکم کے شوہر کو تنبیہہ کرنے سے پیشتر عورت کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے نفس کو طلاق دے بعض علماء کا قول ہے کہ طلاق حاکم کے اختیار میں ہے اگر زوجہ اس امر کی خواستگار ہو اور شوہر نہ مانے تو ایسی حالت میں حاکم کو اختیار ہے کہ وہ خود اُس کو واقع کرے یا عورت کو حکم دے کہ وہ اپنے نفس کو طلاق دے لے اور جسوقت وہ عورت کو طلاق دینے کا حکم دیگا تو درحقیقت عورت اُسی کے طرف سے نائب ہوگی جسطرح کہ وہ شوہر کیطرف سے شرعاً نائب ہے جبکہ وہ طلاق دینے سے انکار کرتا ہے۔ ابو زید نے ابن القاسم سے روایت کیا ہے کہ عورت کو بغیر حکم امام کے طلاق دے لینے کا اختیار ہے بعض معتبر علماء کہتے ہیں کہ پہلا قول اصح ہے"

دوسرا یہ طریقہ ہے کہ حنفی مذہب کے مطابق عملدرآمد بدستور جاری رہے مگر ہر ایک نکاح میں یہ
شرط کر لیجاوے کہ عورت کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا جس وقت وہ چاہے یا کسی شرط کے ساتھ
اور یہ شرط تمام مذہبوں میں مقبول ہے۔

یہ طریقہ بعض وجوہ سے پہلے طریقہ کی نسبت افضل ہے کیونکہ بعض حقیقی نقصانات
جن سے بچنے کے لئے تمام عورتیں حتی الوسع کوشش کرتی ہیں ایسے ہیں جنکی وجہ سے قاضی انکو
مالکی مذہب کے مطابق طلاق دے لینے کا اختیار نہ دے گا مثلاً مرد نے دوسری عورت سے
نکاح کر لیا اور پہلی بی بی بھی اُسکے نکاح میں بدستور موجود ہے۔ ایسی حالت میں اگر پہلی بی بی قاضی
کے روبرو شکایت کرے گی اور طلاق کی خواستگار ہوگی تو قاضی کو جائز نہ ہوگا کہ وہ اُس کو ڈگری دے
پس اگر یہ شرط کر لیجاوے کہ عورت جب چاہے طلاق دے لے یا جب شوہر دوسرا نکاح کر لے تو
عورت طلاق دے لے ایسی شرطوں کی صورت میں عورت کو اختیار ہوگا لیکن پہلے طریقہ کے مطابق
عمل کرنا زیادہ تر مناسب ہے کیونکہ طلاق کو قاضی کے اختیار میں رکھنا یقیناً طلاق کے دائرہ کو تنگ
کرنے والا ثابت ہوگا۔

چونکہ طلاق کا حق عورتوں کو عطا کرنا ایک ایسی بات ہے جو عدالت اور انسانیت کے اقتضا
کے مطابق ہے کیونکہ مردوں کی ایک جماعت کثیر کی طرف سے جو حقیقۃً انسانی خصائل سے محروم
ہیں سخت ظلم و ستم اُن پر واقع ہوتے ہیں اسلئے مجھکو قوی اُمید ہے کہ میری یہ کمزور آواز میرے
ہم وطنوں کی ہمت کو اس امر کی طرف برانگیختہ کریگی کہ وہ ان کمزور اور مظلوم اور صبر کرنیوالیوں کی
دستگیری کرنے پر آمادہ ہوں۔

تمت بالخیر

اشتہار چھپائی مطبع مفید عام آگرہ

خدا کے فضل و کرم سے اس مطبع مین ہر قسم اور ہر زبان کی کتابین اُردو و ہندی - فارسی عربی
حکایات خوشخط صاف صحیح و عمدہ جلد ارزان نرخ پر عمدہ سیاہی مصالح سے لیتھو
مین طبع ہوتی ہین - عدالتون و محکمہ بندوبست اور چنگی وغیرہ کے جملہ کاغذات
بھی چھپتے ہین یہ نامی مطبع پینتیس برس سے اپنے فرائض منصبی کو نہایت
ایمانداری اور خوش معاملگی سے ادا کر رہا ہے اور اس کی شہرت و نیکنامی روز افزون
ہے اور اس مطبع مین کتب بہ نسبت اور مطابع کے بہت خوشخط و صاف و عمدہ
چھاپی جاتی ہین جن صاحبون کو کچھ چھپوانا ہو اُن کو کیفیت نرخ وغیرہ کی خط و کتابت
سے معلوم ہو سکتی ہے نمونہ کیلئے ہمارے مطبع کی چھپی ہوئی کتابین کافی و وافی ہین فقط

المشتہر

محمد قادر علی خان صوفی مالک و مہتمم مطبع مفید عام آگرہ